دریچہ محبت

شفق افتخار

شفق افتخار

مکمل ناول

"علیزے بیٹا ناشتا تیار ہے' جلدی کرو۔" ماما کی پکار پر اس نے ایک تنقیدی نگاہ خود پہ ڈالی اور بیگ اور بکس اٹھا کر باہر نکل آئی تھی۔

"السلام علیکم بابا' ماما۔" بغور اخبار کا مطالعہ کرتے بابا کو صبح کا سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اخبار ایک سائیڈ پہ رکھا۔

"ماما پلیز جلدی کریں' مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ عجلت سے کہتی ہوئی توس پہ جیم لگانے لگی تھی۔ صبح کے وقت وہ ایسی ہی جلدی میں ہوا کرتی تھی۔

"آرام سے ناشتا کرو بیٹا' کبھی تو ڈھنگ سے کچھ کھا پی لیا کرو۔" ماما نے اسے ڈپٹا تھا اور پھر اس کے اور بابا کے لیے چائے بنانے لگیں۔

"ماما میری بس آجائے گی اور آج تو میرا پہلا پیریڈ ہی بہت امپورٹنٹ ہے۔" اس نے دودھ کا گلاس اپنے سامنے سے ہٹایا اور چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔

"اونہوں بیٹا' تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے ناشتے میں دودھ ضرور پیا کرو۔" بابا نے اسے چائے پیتے دیکھ کر حسب معمول سرزنش کی تھی۔

"بابا پلیز۔۔۔ آپ کو پتا ہے مجھے شروع ہی سے دودھ پینے سے کتنی چڑ ہے اور خاص کر ناشتے میں کبھی نہیں۔" وہ جلدی جلدی گرم چائے حلق سے اتار رہی۔

" اچھا میں چلتی ہوں' میری بس آنے والی ہو گی۔" وہ بات ٹالتی بیگ اور بکس اٹھا کر دونوں کو خدا حافظ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "پتا نہیں یہ لڑکی کب سدھرے گی۔" ماما اسے دیکھتے ہوئے تاسف سے بولیں۔

"کیوں بھئی کیا ہوا ہے میری بیٹی کو' اتنی لائق بھلا کسی کی بیٹی ہو سکتی ہے' آپ اپنے صاحب زادے کی فکر کیجیے' غالباً" آج ان کا انٹرویو ہے اور وہ ابھی تک گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہے ہیں' جائیے انہیں اٹھائیے۔" بابا نے ہمیشہ کی طرح اس کی طرف داری کی تھی اور معاذ کو سخت سست سنائی تھی۔

ماما' معاذ کو اٹھانے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور بابا مسکراتے ہوئے ناشتا کرنے لگے تھے۔ محبت تو وہ دونوں سے ہی بے پناہ کرتے تھے' مگر علیزے کی بات الگ تھی' کامیابی کے ہر میدان میں نمایاں ان کو اپنی یہ بیٹی بہت عزیز تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو' ہیلو کیا ہو رہا ہے بھئی۔" دھاڑ سے کمرے کا دروازہ کھلا اور علینہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"ارے علینہ تم' آؤ' آؤ' کہاں تھیں بھئی اتنے دنوں سے۔" علیزے نے آس پاس بکھرے نوٹس سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تو کہیں بھی تھی' مگر مجھے پتا تھا کہ تم یہیں کتابوں کے درمیان ہی ملو گی۔"

وہ اس کے قریب ہی بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔ لیکن علیزے کچھ بھی بولے بغیر کتابیں سمیٹتی رہی تھی۔ وہ شروع ہی سے ایسی تھی' اپنے آپ میں مگن' کچھ ریزرو سی' مگر علینہ اس سے بالکل مختلف تھی' بے حد بولڈ اور حاضر جواب' پچھلے سال ہی وہ لوگ علیزے لوگوں کے پڑوس میں شفٹ ہوئے تھے اور تب سے اب تک مختلف نیچر کے باوجود ان دونوں کی اچھی نبھ رہی تھی۔

"تم اب بس بھی کرو' کیا ہر وقت کتابوں میں گھسی رہتی ہو۔" علینہ چڑ کر بولی تھی۔ خود تو وہ پڑھنے کی ایسی چور تھی کہ کالج سے آنے کے بعد کتابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی۔ بقول اس کے اتنی مغز ماری کر کے مجھے اپنی خوب صورت آنکھوں کو خراب کرنا ہے' اسے ہر وقت اپنی خوب صورتی کا بہت احساس رہتا تھا۔ کالج بھی بس وہ شوقیہ ہی جایا کرتی تھی۔

"تمہیں دیکھتے ہی میں نے کتاب بند کر دی تھی' اس لیے تم فکر نہ کرو اور شروع ہو جاؤ' مجھے پتا ہے تم جو بات کہنے آئی ہو' جب تک کہہ نہیں لو گی' تمہیں چین نہیں آئے گا۔"

اس نے سارے نوٹس سمیٹ کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھے اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ پچھلے دنوں علینہ کی کسی کزن کی منگنی تھی اور وہ اسی سلسلے میں مصروف تھی اور علیزے بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ ہر فنکشن میں کتنا آگے آگے رہتی ہے۔ اس کے بعد جو وہ بولنا شروع ہوئی تو مسلسل آدھے گھنٹے تک بولتی ہی رہی تھی اور علیزے اسے اتنی تیزی سے بولتا ہوا صرف دیکھ رہی تھی' سن تو بہت کم رہی تھی۔

"تمہیں تو پتا ہے' میں جہاں چلی جاؤں' وہاں کسی اور کی ضرورت ہی نہیں ہوتی' سارے خاندان کے لڑکے بس میرے گرد ہی چکراتے رہتے ہیں اور لڑکیاں صرف مجھے دیکھ کر جیلس ہوتی ہیں۔" وہ مغرور انداز میں شانوں پہ پھیلے سلکی براؤن بالوں کو ایک ادا سے جھٹکتے ہوئے بولی تھی۔

"اور پتا ہے' وہ' تین عورتیں تو میرے گھر کا ایڈریس پوچھتے پوچھتے میرے گھر تک پہنچ گئی تھیں' پر میں نے بھی ممی سے کہہ دیا کہ میں کسی ایسے ویسے لڑکے سے شادی نہیں کروں گی' اونہہ جسے دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا ہے' ارے علینہ وقار کسی ایسے ویسے بندے کے لیے نہیں بنی ہے۔ میں صرف اس سے ہی شادی کروں گی' جو مجھے پسند ہوگا۔" علیزے کو اس سے وہ بہت مغرور لگی تھی۔

"اس طرح نہیں کہتے علینہ بری بات ہوتی ہے تم اور میں نہیں جانتے کہ ہماری قسمت میں کیا ہے۔" علیزے۔۔۔ اسے سمجھانا چاہتی تھی' مگر علینہ نے اسے بیچ میں ہی روک دیا تھا۔

"پلیز علیزے تم میری دوست ہو' دوست ہی رہو لیکچر نہ دیا کرو' علینہ وقار اپنی قسمت خود بنانا چاہتی ہے' اس لیے پلیز نو لیکچر' اب تم اٹھو اور فٹافٹ مجھے اچھی سی چائے پلواؤ۔" وہ بے زاری سے کہتی ہوئی اپنے ریشمی بالوں میں انگلیاں چلانے لگی تھی۔

اسے تو آج تک اس کے ماں' باپ نہیں سمجھا سکے تھے تو بھلا علیزے اسے کیا سمجھاتی' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کمرے سے باہر جانے کے لیے کہنے چلی گئی تھی اور علینہ کسی میگزین کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہی تھی کہ علیزے کے بجتے ہوئے سیل فون نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا' "اصولاً" تو اسے کال ریسیو نہیں کرنی چاہیے تھی' لیکن اس نے پھر بھی فون آن کرکے کان سے لگالیا تھا۔

"ہیلو۔" وہ اک ادا سے بولی تھی۔

"السلام علیکم!" دوسری طرف سے ابھرنے والی مردانہ آواز بہت شائستہ تھی۔

"وعلیکم السلام!" مردانہ آواز سنتے ہی اس کی آواز میں مٹھاس گھل گئی تھی۔

"علیزے بات کررہی ہیں۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔

"نہیں' آپ کون بات کررہے ہیں۔" وہ آواز سن کر ہی بہت متاثر ہوگئی تھی۔

"جی میں حمزہ بات کررہا ہوں' علیزے سے بات ہوسکتی ہے۔" "کیوں نہیں' میں ابھی انہیں بلاتی ہوں' ویسے میں اس کی فرینڈ علینہ بات کررہی ہوں۔" اس نے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا تھا۔

"جی وہ تو ٹھیک ہے' مگر مجھے علیزے سے بات کرنی ہے۔"

دوسری طرف اسے کوئی اہمیت ہی نہیں دی گئی تھی اور اسے یوں خود کو نظر انداز کیے جانا بہت کھلا تھا' وہ علیزے کو بلانے جانا چاہتی ہی تھی کہ وہ خود ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے تقریباً" پٹخنے والے انداز میں فون سائیڈ ٹیبل پہ رکھا تھا اور اسے اطلاع دی تھی اور پھر سے کسی میگزین کی تلاش میں سرگرداں ہوگئی تھی۔ تقریباً" ایک یا دو منٹ بات کرنے کے بعد علیزے نے فون آف کیا تھا۔

"علیزے' یہ حمزہ تمہارا کلاس فیلو ہے۔" وہ جو بہت بے چینی سے اس کے فون بند کرنے کا انتظار کررہی تھی' فوراً" بول پڑی تھی۔

"نہیں مجھ سے سینئر ہے' کیوں؟" وہ سائیڈ ٹیبل کی دراز میں کچھ تلاش کرتے ہوئے بولی تھی۔

"بندہ کچھ مغرور سا نہیں۔" وہ اپنے نیل پالش لگے لمبے لمبے ناخنوں پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔

"نہیں مغرور تو نہیں' بس ذرا ریزرو سا ہے' اب پلیز تم اسے بخش دینا' کیونکہ وہ لڑکیوں سے ذرا دور ہی رہتا ہے۔" اس نے اب دوسری دراز کھول لی تھی۔

"لڑکی تو تم بھی ہو۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی تھی۔

"مگر میں اسے اور لڑکیوں سے مختلف لگتی ہوں' اس لیے وہ مجھ سے بات کرتا ہے اور اس نے مجھے فون صرف باتیں بگھارنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ اسے کچھ نوٹس چاہیے تھے' جو کہ اسے یقین تھا کہ میرے پاس ضرور ہوں گے اور میرا نمبر بھی اس نے میری فرینڈ سے لیا تھا' جس کے لیے وہ مجھ سے معذرت کررہا تھا۔" علیزے نے یک دم ہی وضاحت کردی تھی' کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے ذہن میں کوئی الٹی سیدھی سوچ آئے۔ وہ اس طرح کی باتیں نہ خود کرتی تھی اور نہ ہی اپنے بارے میں کسی کے منہ سے سننا پسند کرتی تھی۔

"اچھا یار' ناراض کیوں ہوتی ہو' میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ مختلف نظر آنے کی کوئی تو وجہ ہوگی نا۔" وہ اب بھی باز نہیں آئی تھی۔

"وجہ یہ ہے مائی ڈیر فرینڈ کہ نہ تو میں اس کی پرسنالٹی سے امپریس ہوں اور نہ ہی ان لڑکیوں کی طرح اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوں' اس نے بات کرلی تو ٹھیک' ورنہ اس کی راہ میں پلکیں بچھائے نہیں بیٹھی ہوئی اور تم مجھے جانتی نہیں ہو کیا۔" وہ برہمی سے بولی تھی۔

"ارے یار میں تو مذاق کررہی ہوں۔ تم تو خوامخواہ ناراض ہورہی ہو اور یہ تمہاری چائے ابھی تک نہیں آئی۔" وہ بات کو ٹالتے ہوئے بولی تھی۔

"ہوں' تو چلو ایسا کرتے ہیں کہ لاؤنج میں چلتے ہیں' وہیں بیٹھ کر پی لیں گے۔" وہ مطلوبہ نوٹس ہاتھ میں لیے ان پہ نگاہ دوڑاتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے چلو۔" وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

علیزے بھی نوٹس بیڈ پہ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ علینہ نے ایک نظر اسے نکلتے ہوئے دیکھا تھا اور سرعت سے اس کا سیل فون اٹھالیا تھا۔ ریسیو کال میں جگمگاتے نمبر کو اس نے سیکنڈز میں اپنے سیل میں save کرلیا تھا اور پھر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایکسکیوزمی علیزے۔" وہ یونیورسٹی کے لان میں بیٹھی کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ جب حمزہ کی آواز پہ اس کے چلتا قلم رک گیا تھا۔

"آپ بزی ہیں؟" حمزہ نے اس کے لکھنے کی رفتار سے اندازہ لگایا تھا۔

"نہیں بزی تو نہیں ہوں' آپ کہیں۔" علیزے نے سر اٹھا کر اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ بیٹھ گیا تھا۔

"میں صبح سے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں' پوری یونیورسٹی چھان ماری' لیکن آپ تو جیسے غائب ہی ہوگئیں۔۔۔ بائی دا وے کہاں تھیں آپ؟" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ بالکل لائٹ پنک کے سوٹ میں سادہ سی وہ بہت فریش لگ رہی تھی۔ حمزہ کو نہ جانے کیوں یہ لڑکی دل کے بہت قریب محسوس ہوئی تھی۔

"دراصل صبح سے میرا کوئی بھی پیریڈ فری نہیں تھا۔ ابھی فری پیریڈ تھا' سو یہاں چلی آئی۔ آئی ایم سوری' آپ کو میری وجہ سے زحمت اٹھانی پڑی۔" ایک پل کو اس کی دھڑکنیں منتشر ضرور ہوئی تھیں' لیکن اگلے ہی پل وہ نارمل تھی' وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسے بھی اور لڑکیوں کی طرح سمجھے۔

"ارے نہیں' اٹس اوکے' کوئی بات نہیں' وہ آپ سے میں نے نوٹس مانگے تھے۔" وہ سنبھل کر بولا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ انتظار کا کوئی بھی جگنو قبل از وقت اس کے ہاتھ میں تھمائے۔ مگر یہ تو اس نے بہت اچھی

طرح جان لیا تھا کہ اگر اس کی زندگی میں کوئی خاص ہے تو وہ علیزے ہی ہے۔

"مگر پلیز' یہ مجھے واپس ضرور کر دیجیے گا' کیونکہ مجھے اکثر ان کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔" علیزے نے بیگ سے نوٹس نکال کر اسے تھمائے تھے۔

"او شیور' کیوں نہیں۔" حمزہ نے نوٹس کا پلندہ تھام لیا تھا۔

"علیزے آپ سے ایک بات کہوں۔" حمزہ نے کاغذوں پہ ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔ علیزے نے بنا کچھ کہے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"آپ اتنا پڑھ پڑھ کر تھکتی نہیں ہیں؟" وہ مسکراہٹ لبوں میں دبائے پوچھ رہا تھا۔ وہ بے اختیار ہی اس کی بات' اس کے انداز پہ ہنس پڑی تھی اور ہنستے ہوئے وہ اس قدر اچھی لگ رہی تھی کہ حمزہ کتنے ہی پل اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ اس کے اس طرح دیکھنے پہ پزل سی ہو گئی تھی۔

"علیزے' آپ ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہیں۔" وہ ابھی تک اس لمحے کی گرفت میں تھا' وہ نگاہیں جھکا گئی تھی۔

"علیزے کیا ہم دوست نہیں بن سکتے۔" جانے اس پل میں کیا تھا کہ وہ اپنے دل کی بات کہہ گیا تھا۔

"دوست تو ہیں۔" وہ بلاوجہ ہی اپنے بیگ میں کچھ ڈھونڈنے لگی تھی۔

"ہاں واقعی دوست تو ہیں۔" چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھنے کے بعد حمزہ کے لبوں سے نکلا تھا۔ بالآخر وہ اس پل کے سحر سے آزاد ہو ہی گیا تھا۔

"او مائی گاڈ۔" گھڑی دیکھ کر جیسے وہ اچھل ہی پڑا تھا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میری گیارہ بجے کلاس ہے' میں چلتا ہوں' بعد میں ملتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ہو گی نا ملاقات۔" حمزہ نے ایک پل کو اسے دیکھا تھا۔ وہ منتظر تھا' اس کے جواب کا اور پھر اس کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کر وہ مطمئن سا ہاتھ ہلاتا کلاس روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔ علیزے کتنے ہی لمحے اس کے قدموں کے نشان کو دیکھتی رہی تھی۔ دل زور و شور سے اس کی طرف کھنچ رہا تھا اور دماغ مسلسل اس کی نفی کر رہا تھا۔ اس نے دماغ کی سنی اور سر جھٹک کر دوبارہ سے لکھنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

یونیورسٹی کے پہلے دن ہی اس کی ملاقات حمزہ سے ہوئی تھی۔ اسے اپنے فارم وغیرہ جمع کرانے تھے اور وہ یونیورسٹی میں پہلی دفعہ آئی تھی۔ معاذ اسے گیٹ پر ہی چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اسے کوئی ضروری کام تھا اور وہ اسے پیچھے سے پکارتی بھی رہی تھی۔ ایڈمنسٹریشن آفس کے پاس ایک لمبی لائن تھی اور علیزے وہاں پریشان سی کھڑی تھی۔ ایسے میں ایک حمزہ ہی تھا' جس نے اس کی ہر کام میں مدد کی تھی اور آج تک مدد کر رہا تھا۔ شاید پہلے ہی دن کیوپڈ نے اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ دونوں کو اتنی بھیڑ میں ملا دیا تھا اور حمزہ کو بھی یہ خاموش سی لڑکی اوروں سے مختلف لگی تھی۔ لیکن کچھ بھی کہنے کی ہمت دونوں میں ہی نہیں تھی' آج پہلا موقع تھا کہ ان دونوں میں اتنی تفصیلی بات ہوئی تھی۔ ورنہ تو ہیلو ہائے سے زیادہ کبھی بات بڑھی ہی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼
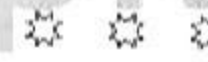
"او مائی گاڈ' اتنی تیز بارش' اب کیا کروں۔" علیزے پریشان سی آسمان کو دیکھنے لگی تھی۔

وہ یونیورسٹی کے کوریڈور میں کھڑی بارش رکنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ گاڑی بھی ایک ہفتے سے ورکشاپ میں تھی' ورنہ کم از کم فون کر کے گاڑی ہی منگوا لیتی اور اسے پتا تھا کہ معاذ تو کبھی بھی اتنی تیز بارش میں اسے لینے نہیں آئے گا اور یونیورسٹی سے بس اسٹاپ تک جانا گویا اپنی شامت آپ بلوانا تھا۔

"اف اب کیا کروں۔" وہ وہیں لگے بینچ پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ پندرہ' بیس منٹ اسی پچویشن میں گزرے تھے۔ بارش رکنا تو دور' کم بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ مایوسی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔ موبائل کے سگنل بھی نہیں آرہے تھے۔ ارد گرد کچھ اسٹوڈنٹس خوش گپیوں میں مصروف تھے اور کچھ اسی

کی طرح کنوینس پرابلم میں' قریب ہی آفس سے نکلتا حمزہ اسے اس طرح بیٹھا دیکھ کر رک گیا تھا۔ بے اختیار ہی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

"علیزے۔" وہ اس کے قریب آ کے کچھ فاصلے پہ رک گیا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی سر اٹھایا تھا۔

"پریشان ہو۔" وہ سمجھ تو گیا تھا کہ گھر جانے کی وجہ سے پریشان ہوگی۔ مگر پھر بھی پوچھنے لگا۔

"آف کورس۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔ بارش اسے پسند تو بہت تھی' مگر اس بے وقت کی بارش نے اسے کوفت میں مبتلا کر دیا تھا۔

"میں ڈراپ کر دوں' گاڑی ہے میرے پاس۔" وہ بہت آسانی سے اس کا پرابلم حل کر گیا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر...." ایک پل کو اس کے چہرے پہ اطمینان سا اتر آیا تھا۔ مگر دوسرے ہی پل وہ کچھ تذبذب کا شکار تھی۔

"کوئی پرابلم ہے۔ تم مجھ پہ اعتماد کر سکتی ہو علیزے۔" وہ بے حد اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔

"اوکے چلیں۔" وہ بیگ اور بکس سنبھال کر کھڑی ہو گئی تھی۔

دونوں بچتے بچاتے پارکنگ تک پہنچے تھے۔ علیزے نے گاڑی میں بیٹھ کر سکون کا سانس لیا تھا۔ حمزہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی' کنوینس پرابلم حل ہوئی تو وہ بھاگتے دوڑتے بارش کے سنگ بھیگے نظاروں کو انجوائے کرنے لگی تھی۔

"علیزے ایک بات پوچھوں۔" حمزہ نے گیئر بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی پوچھیں۔" وہ اب بھی مکمل طور پہ باہر متوجہ تھی۔

"اس دن میں نے تمہیں فون کیا تھا' تو تمہاری کسی فرینڈ نے اٹینڈ کیا تھا' مجھے اس لڑکی کا attitude بہت عجیب سا لگا۔" وہ جیسے کچھ یاد آجانے پر پوچھ رہا تھا۔

"میری فرینڈ۔" وہ سوچنے لگی تھی۔

"اچھا ہاں' علینہ نے اٹینڈ کیا تھا' کیوں کیا کہا اس نے' اس نے کوئی بدتمیزی کی آپ کے ساتھ۔" وہ پریشانی سے پوچھنے لگی تھی۔

"نہیں کچھ خاص نہیں' مگر اول تو اسے یوں کسی کا پرسنل فون اٹھانا نہیں چاہیے اور اگر اٹھا ہی لیا تھا تو اتنا فرینک ہونے کی کیا ضرورت ہے' میں نے تمہیں بلانے کو کہا تو جواب میں اپنا تعارف کرانے لگیں محترمہ' یہ بھی کوئی بات ہوئی بھلا' جب میں آپ سے بات ہی نہیں کر رہا تو خوامخواہ میں اپنا تعارف کرانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ مکمل توجہ ڈرائیونگ پہ رکھے ہوئے تھا۔

"اچھا لیکن مجھ سے تو اس نے کچھ نہیں کہا۔" وہ شرمندہ سی کہہ رہی تھی۔

"مجھے ایسی لڑکیاں بہت بری لگتی ہیں جو خوامخواہ فضول میں فری ہونے کی کوشش کرتی ہیں اور اس کی بولڈنیس دیکھو ذرا کل اس نے مجھے کال کی' میں نے بھی اسے اچھی خاصی سنا دیں۔" وہ اس کے اشارے موڑ کاٹتے ہوئے بولا تھا۔ حمزہ کے چہرے پہ ناگواری کے تاثرات بہت نمایاں تھے۔

"آئی ایم سوری حمزہ' وہ ہے تو بہت بولڈ' مگر میں نہیں سمجھتی تھی کہ وہ کوئی ایسی حرکت کرے گی' اسے بھلا آپ کو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" علینہ کی حرکت نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

"اٹس اوکے۔ تم کیوں اتنا شرمندہ ہو رہی ہو' اس میں تمہارا کیا قصور ہے' لیکن پلیز تم اسے سمجھا ضرور دینا کہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے۔" اس نے گاڑی لا کر عین اس کے گھر کے سامنے روک دی تھی۔ علیزے ابھی تک حیران پریشان سی تھی' چلو اس کو اپنا نام بتا دیا تھا' مگر اس کو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی' کیا سوچتا ہوگا وہ میرے بارے میں کہ اس کی کیسی فرینڈز ہیں اور پھر اسے نمبر کہاں سے ملا۔ یقیناً اس نے میری لاعلمی میں میرے فون سے لیا ہے۔ وہ ان ہی سوچوں میں تھی' اسے احساس ہی نہ ہوا کہ حمزہ نے گاڑی روک دی تھی۔

"علیزے' تمہارا گھر آگیا ہے۔" حمزہ نے اسے گم صم بیٹھے دیکھ کر پکارا تھا' وہ چونک سی گئی تھی۔

"اٹس اوکے یار.... اس میں بھلا تمہارا کیا قصور ہے۔ چلو اترو' گھر والے ویٹ کر رہے ہوں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اگر آپ کے پاس ٹائم ہو تو آپ بھی چلیں' ایک کپ چائے ہو جائے۔" وہ اب خاصی ریلیکس لگ رہی تھی۔

"نہیں علیزے تھینک یو' بس اب میں چلوں گا۔"

"جی نہیں' پھر کبھی نہیں' بلکہ ابھی' آپ کم از کم میری اتنی سی بات تو مان ہی سکتے ہیں۔"

بے حد اپنائیت سے کہتی وہ اس سے حمزہ کو اپنے بہت قریب محسوس ہوئی تھی' اسے ماننے ہی بنی تھی۔ دونوں آگے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوئے تھے۔ آج اتفاق سے بابا بھی جلدی گھر آگئے تھے اور معاذ بھی خلاف توقع گھر پہ تھا۔ اماں پریشانی کے عالم میں شوہر اور بیٹے کی فرمائشیں بھی پوری کر رہی تھیں اور اس کے انتظار میں ہول بھی رہی تھیں۔ جانے کتنی بار معاذ سے کہہ چکی تھیں کہ جا کے اسے لے آئے۔ مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا' جا کے ہی نہ دیا۔ اب اسے آتے دیکھا تو اطمینان سا آگیا تھا۔ حمزہ نے ماں کی محبت کو پہلی بار محسوس کیا تھا۔ ورنہ ماں کی مامتا کو' اس کے لمس کو' وہ ہمیشہ ترستا ہی رہا تھا۔ علیزے نے سب سے اس کا تعارف کرایا تھا۔ سب ہی اس سے مل کر خوش ہوئے تھے۔ ماں کی آنکھوں میں تو خوش فہمیوں نے جنم لینا شروع کر دیا تھا۔ حمزہ ان لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوا تھا۔

ماما نے ایک ہی ملاقات میں اسے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ جب انہیں پتا چلا کہ اس کی ماں نہیں ہے تو انہوں نے فوراً کہا کہ وہ انہیں اپنی ماں سمجھے اور جب جی چاہے ان سے ملنے چلا آئے۔ بارش تھم چکی تھی۔ سو وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ علیزے اسے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔

"تھینک یو علیزے' اچھا ہوا تم مجھے اندر لے آئیں' ورنہ کبھی بھی میں اتنے محبت کرنے والوں لوگوں سے نہ مل پاتا اور خاص کر ماما سے' تمہاری ماما دنیا کی بہترین ماما ہیں۔" وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔

"مائیں تو ساری ہی بہترین ہوتی ہیں' لیکن میری ماما واقعی بہت نائس ہیں' جو بھی ان سے ملتا ہے بہت امپریس ہوتا ہے۔" دھیمی مسکراہٹ سے وہ کہہ رہی تھی۔

وہ دونوں ابھی وہیں کھڑے تھے' جب گیٹ کھلا اور ایک خوب صورت سی لڑکی اندر داخل ہوئی تھی۔ پینٹ شرٹ میں ملبوس' ریشمی براؤن بال شانوں پہ جھول رہے تھے۔ بڑی بے نیازی سے علیزے کی طرف بڑھی تھی' مگر جیسے ہی حمزہ پہ نگاہ پڑی تو ٹھٹک کر وہیں رک گئی تھی' علیزے کو اس کی بے وقت کی آمد بہت کھلی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ حمزہ سے ملے' کیونکہ بنا ملے ہی وہ اس سے بہت خائف تھا' لیکن اب وہ کیا کہہ سکتی تھی۔

"تم نے انٹروڈکشن نہیں کرایا علیزے۔" اس نے ایک ادا سے بال جھٹکے تھے۔

"او سوری.... حمزہ احمد میرے یونیورسٹی فیلو ہیں اور یہ میری فرینڈ ہیں علینہ وقار۔" اس نے دونوں کا تعارف کرایا تھا۔

"ہیلو.... حمزہ نائس ٹو میٹ یو۔" وہ ایک ادا سے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑی تھی۔

"سیم ہیئر۔" اس نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو یکسر انداز کر دیا تھا۔

"اوکے علیزے' میں چلتا ہوں' کل ملاقات ہوگی' اللہ حافظ۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ پار کر گیا تھا۔

"علیزے' یہ وہی حمزہ تھا نا' جس نے تمہیں فون کیا تھا۔" علینہ ابھی بھی اس طرف دیکھ رہی تھی' جس طرف وہ گیا تھا۔

"ہاں وہی تھا' علینہ تم نے اسے فون کیا تھا۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں کیا تھا' کیوں۔" وہ بہت ناگواری سے بولی تھی۔

"نہیں کرنا چاہیے تھا علینہ! اسے بہت برا لگا ہے' وہ اس قسم کا کبھی نہیں ہے اور تم نے اس کا نمبر کہاں سے لیا۔" وہ اسے رسان سے سمجھانا چاہتی تھی۔

"وہ جس قسم کا بھی ہے' اسے اس قسم کا بنتے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ نمبر بھی میں نے تمہارے ہی فون سے لیا تھا اور یقین کرو اسے آج برا لگا ہے نا کل بہت اچھا لگے گا اور رہی بات کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا تو میں تم سے زیادہ اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں' تم میری دوست ہو' دوست ہی بن کر رہو' لیکچر دینے کی کوشش مت کرو پلیز' انڈر اسٹینڈ۔" بدتمیزی سے کہتی وہ گیٹ پار کر گئی تھی۔ علیزے گہری سانس لے کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼
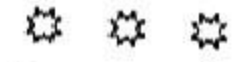
"ہیلو' ہیلو کدھر گم ہو بھئی۔" شہوز نے تکیے میں منہ چھپائے لیٹے ہوئے حمزہ کا کندھا ہلایا تھا۔ آج وہ یونیورسٹی نہیں آیا تھا اور اس کے بغیر شہوز کا پورا دن بہت بور گزرا تھا۔ اس لیے یونیورسٹی آف ہوتے ہی وہ فورا" سیدھا حمزہ کے پاس چلا آیا تھا۔ کیونکہ اگر وہ دونوں ایک دن بھی ایک دوسرے سے نہ ملیں تو ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی دن گزرتا تھا۔ شہوز کے پکارنے پر بھی وہ اسی طرح بے سدھ پڑا رہا تھا۔

"حمزہ کیا ہوا ہے' اس طرح کیوں لیٹے ہو' کوئی بات ہوئی ہے کیا۔" اب کے وہ پریشانی سے بولا تھا۔

"نہیں یار' ٹھیک ہوں میں' کیا بات ہوئی ہے بھلا۔" وہ سیدھا ہو کر لیٹ گیا تھا۔

"پھر تمہارے چہرے پہ یہ بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" شہوز نے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"شہزی' میں نے تم سے علیزے کی فرینڈ علینہ وقار کا ذکر کیا تھا نا۔" حمزہ جانتا تھا کہ وہ جانے بغیر نہیں مانے گا۔ اسی لیے اسے بتانے لگا تھا اور ویسے بھی وہ دونوں کوئی بھی بات ایک دوسرے سے چھپاتے نہیں تھے۔

"ہاں کہا تو تھا' کیوں کیا ہوا ہے اسے۔" وہ بھی پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"یار اس نے مجھے کل سے بڑا پریشان کر رکھا ہے۔" وہ دائیں ہاتھ سے اپنا ماتھا سہلانے لگا تھا۔ شہوز سمجھ گیا تھا کہ بات پریشانی کی ہے' کیونکہ یہ حمزہ کا انداز تھا کہ جب بھی وہ کبھی کسی پریشانی میں ہوتا تھا تو یوں ہی دائیں ہاتھ سے اپنی پیشانی سہلانے لگتا تھا اور اب بھی وہ یہی کر رہا تھا اور شہوز اچھی طرح اس کی عادات سے واقف تھا۔

"اس نے کل رات سے مجھے بہت تنگ کر رکھا ہے' کچھ سمجھ نہیں آرہا کیا کروں' کل رات سے وہ مجھے لاتعداد کالز کر چکی ہے۔" وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔ وجیہہ چہرے سے پریشانی چھلک رہی تھی۔

"کیا کہتی ہے وہ۔" شہوز بھی اب سنجیدگی سے اس کی سننے لگا تھا۔

"بس اس کی ایک ہی رٹ ہے کہ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ زبردستی کسی سے دوستی کر لیں' ضروری تو نہیں' اگر وہ آپ کو اچھا لگتا ہے تو آپ بھی اسے اچھے لگیں۔ جب میں نے اسے کہا کہ میں لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتا تو کہتی ہے کہ علیزے بھی تو لڑکی ہے۔ اب میں اسے کیسے سمجھاؤں اور کیوں بتاؤں کہ اس کی بات الگ ہے۔ وہ میرے لیے بہت خاص ہے۔" وہ ساری تفصیل بتا کر اسے بتاتا چلا گیا تھا۔

"تو تم ایسا کرو کہ اسے بتا دو کہ علیزے سے تمہارا کیا تعلق ہے۔" شہوز نے بڑی آسانی سے اس کے مسئلے کا حل نکال لیا تھا۔

"قطعی نہیں' وہ بہت تیز لڑکی ہے' نہ جانے اس بات کو کس انداز سے لے اور علیزے سے کیا کچھ کہہ دے۔ اس طرح تو جو تعلق ابھی پوری طرح سے بنا ہی نہیں ہے' وہ بننے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا' ہرگز نہیں۔ میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔" حمزہ نے فورا" ہی اس کی بات کو رد کر دیا تھا۔

"تو پھر ایسا کرو تم اس سے دوستی کر لو' دوستی کرنے میں حرج ہی کیا ہے' اسپیشل فیلنگ تو تم صرف علیزے کے لیے ہی رکھتے ہو نا۔" شہوز نے بڑا مخلصانہ مشورہ دیا تھا جو حمزہ کو تپا گیا تھا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا شہزی۔" حمزہ نے کہا۔

"او کے مت کرو' پھر ایسا کرو اسے علیزے کے بارے میں بتا دو' پھر دیکھنا جب اسے پتا لگے گا تو وہ جس جوش سے تمہاری طرف بڑھی ہے نا' اس سے کہیں زیادہ تیزی سے پیچھے ہٹ جائے گی اور اب بس کرو یار' چھیڑ اپ۔ تم اٹھ رہے ہو یا اکیلے میں ہی باہر جا کر کھانا کھا لوں' قسم سے یار' مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ اچھا بھلا بات کرتے کرتے پھر سے بھوک کی دہائی دینے لگا تھا تو حمزہ کو بھی اٹھنا ہی پڑا تھا' ورنہ بھوک اسے قطعی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼
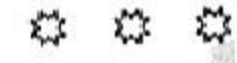
"علیزے پلیز رکیں۔" وہ کلاس روم سے نکل کر لائبریری کی طرف جا رہی تھی کہ شہوز کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔ مڑ کر دیکھا تو حمزہ بھی ساتھ تھا۔ اسے رکتا دیکھ کر وہ دونوں تیزی سے اس کی طرف بڑھ آئے تھے۔

"کیسی ہو علیزے۔" حمزہ نے پوچھا تھا۔ اسے دیکھ کر حمزہ کی آنکھوں میں جو چمک اتر آئی تھی وہ اکثر اسے ڈسٹرب کر دیا کرتی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ ان روشنیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نگاہیں جھکا گئی تھی۔

"کہاں ہیں بھئی آپ' ہم صبح سے آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔" اس طلسم کو شہوز کی آواز نے توڑا تھا۔

"خیریت' کوئی کام تھا۔" وہ حیران سی پوچھ رہی تھی۔

"جی جناب' بالکل خیریت ہے' بس آپ کو ایک انوی ٹیشن دینا ہے۔" شہوز نے فضول میں اپنے لہجے میں سسپنس پیدا کیا تھا۔

"کس قسم کا انوی ٹیشن۔"

"دراصل کل میرا برتھ ڈے ہے اور فرینڈز کے کہنے پہ میں نے یہیں کینٹین میں ایک چھوٹی سی گیٹ ٹو گیدر ارینج کی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس میں شرکت فرما کر اس تقریب کو رونق بخشیں۔" وہ شرارتی انداز میں کہتا ہوا کورنش بجا لانے والے انداز میں اس کی طرف جھکا تھا۔ اس کے اس طرح کہنے پہ جہاں مسکراہٹ حمزہ کے چہرے پہ پھیلی تھی وہیں پہ علیزے بھی بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ حمزہ کو اس پل یوں لگا کہ جیسے اس کے اردگرد روشنی سی کوندی ہو۔

"تو پھر آپ کل آرہی ہیں نا علیزے۔" شہوز نے پوچھا تھا۔

"لیکن شہوز بھائی' وہاں سارے آپ کے فرینڈز ہوں گے' تو میں وہاں کیا کروں گی۔" وہ ذرا سا ہچکچائی تھی۔

"اب آپ مجھے ناراض کر رہی ہیں' آپ بھی تو ہماری دوست ہیں' اگر آپ اس لیے پریشان ہیں کہ گفٹ دینا پڑے گا' تو آئی سویئر گفٹ نہیں چاہیے' بس آپ آجائیے گا۔" وہ شرارت سے گویا ہوا تھا۔ کیونکہ علیزے کے انکار پہ اس نے حمزہ کا فیوز ہوتا چہرہ دیکھ لیا تھا۔

"علیزے آپ کل آرہی ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی خواہش ہے ہماری یا پھر ریکوئسٹ' ہم آپ کا انتظار کریں گے۔" حمزہ دھیمے سے کہہ کر وہاں رکا نہیں تھا' بلکہ تیزی سے چلا گیا تھا اور شہوز بھی اس کے پیچھے ہو لیا تھا' کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب علیزے ضرور آئے گی۔ علیزے کو اس کے لہجے کا استحقاق بہت سی باتوں کا احساس دلا گیا تھا۔ وہ اس کے قدموں کے نشانوں کو دیکھتی دل ہی دل میں وہاں جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼
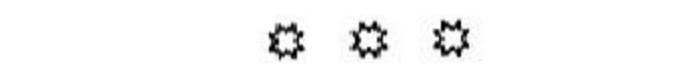
فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی' لیکن کی بورڈ پہ چلتی انگلیوں کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسکرین پہ آنے والا

نمبر کس کا ہے۔ فون بج بج کر خود ہی بند ہو گیا تو وہ ایک نظر فون پہ ڈال کر پھر سے اپنا کام کرنے لگا۔ کل سے اس نے کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی۔ بلکہ کل سے مسلسل فون آف کر رکھا تھا مگر آج پھر بجتے فون نے کام سے اس کی یکسوئی ختم کر دی تھی۔ ایک دو منٹ کے وقفے سے فون نے پھر سے بجنا شروع کر دیا تھا۔ اب کے وہ لیپ ٹاپ آف کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ہیلو۔۔۔" غصہ اور بے زاری اس کی آواز میں بہت نمایاں تھی۔

"اتنی دیر سے فون کر رہی ہوں' آپ اٹھاتے کیوں نہیں ہیں۔" دوسری طرف سے بہت اپنائیت سے کہا گیا تھا۔

"دیکھیے مس۔۔۔" حمزہ نے کہنا چاہا۔

"علینہ وقار۔۔۔" وہاں سے بہت فخر سے اپنا نام بتایا گیا تھا۔

"جی مس علینہ وقار۔" لہجے میں طنز خود ہی اتر آیا تھا۔

"آخر آپ کو بات سمجھ کیوں نہیں آتی ہے' جب میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتا تو آپ بار بار مجھے کیوں تنگ کرتی ہیں۔" حمزہ نے غصے سے کہا تھا۔

"جب مجھے بات سمجھ نہیں آتی تو آپ بار بار مجھے کیوں سمجھاتے ہیں۔" وہاں اب بھی وہی انداز تھا۔

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتا کہ آپ کس قسم کی لڑکی ہیں۔" وہ جیسے تھک کر بولا تھا۔

"میں جس قسم کی بھی لڑکی ہوں' بس اتنا سمجھ لیں کہ جو کہتی ہوں وہ کرتی ضرور ہوں اور آپ بھی کس قسم کے انسان ہیں' ایک لڑکی آپ کو خود اپنے منہ سے کہہ رہی ہے کہ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں' خود آپ کی طرف ہاتھ بڑھا رہی ہے کہ آپ ہیں کہ نخرے کر رہے ہیں۔ کہیں آپ کو علیزے نے تو منع نہیں کیا۔" بات کرتے کرتے اس کے لہجے میں شک سا اتر آیا تھا۔

"جی نہیں' ایسی کوئی بات نہیں' علیزے کا ذکر آپ بیچ میں مت لائیں' جب آپ کو اپنی خواہش پوری ہوتی نظر نہ آئی تو اس پر الزام لگا دیا۔" وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ علیزے کے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات کرے۔

"تو پھر آخر کیا بات ہے' آپ مجھ سے اتنا بے زار کیوں رہتے ہیں' پتا ہے میں نے آپ کی وجہ سے یونیورسٹی میں مائیگریشن کرا لیا ہے اور کل میرا فرسٹ ڈے ہے۔" وہ بہت خوش تھی۔

"مجھ پہ یہ احسان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ اب مکمل طور پر بے زار ہو چکا تھا۔ کل شہوز کی برتھ ڈے پارٹی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس میں کوئی بد مزگی ہو اور پھر وہاں علیزے بھی ہو گی۔

"بس میرا دل چاہا تو کر دیا' چلیں آپ بھی اب مجھ پہ ایک احسان کر دیں' کل یونیورسٹی میں میرا پہلا دن ہے اگر آپ نے مجھے دیکھ کر منہ نہ پھیرا تو میں سمجھوں گی کہ آپ نے میری آفر قبول کر لی ہے اور اگر منہ پھیر لیا تو میں آئندہ کبھی بھی آپ کو تنگ نہیں کروں گی' ٹھیک ہے۔" اس نے اپنی طرف سے ایک آسان ساحل پیش کیا تھا۔

"ٹھیک ہے' مجھے منظور ہے' لیکن وعدہ کریں' اس کے بعد مجھے تنگ نہیں کریں گی۔" حمزہ کو بھی اس کا آئیڈیا اچھا لگا' کم از کم کسی کو دیکھنا نہ دیکھنا تو اس کے اپنے اختیار میں تھا اور اسے یقین تھا کہ کل کے بعد وہ اسے کبھی تنگ نہیں کرے گی۔

"وعدہ رہا میں آپ کو پھر تنگ نہیں کروں گی۔" جانے حمزہ کے معاملے میں اس کی ساری اکڑ کہاں چلی گئی تھی۔

"اوکے۔" حمزہ نے مزید اس کا جواب سنے بغیر ہی فون بند کر دیا تھا۔ اور اطمینان سے پھر سے بیٹھ کر اپنا کام کرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ بہت دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ بلیک اور بلو کنٹراس کے سوٹ میں نکھری نکھری سی علیزے بہت فریش لگ رہی تھی۔ حمزہ نے پہلی بار چاہت کا' یقین کا کوئی پھول اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ وہ بہت خوش

تھی۔ وہ بھی اسے اسی شدت سے چاہتا ہے اس کی آنکھوں میں بھی محبت کو پا لینے کی خواہش کروٹیں لیتی ہے۔ یہ احساس ہی خوش کن تھا۔ آج اس نے بنا کسی چوں چرا کے بابا کے کہنے پر ناشتے میں دودھ بھی پی لیا تھا۔ شرارت سے معاذ کے بال بھی بکھیرے تھے۔ جس پر وہ بہت چڑا بھی تھا۔ ماما' بابا کو خدا حافظ کہہ کر ان کی دعائیں سمیٹ کر جب وہ یونیورسٹی پہنچی تو اسے ہر چیز نئی نئی سی لگ رہی تھی۔ ایک ہی رات میں اس کے چہرے پر گلاب سے کھل گئے تھے۔ بڑا سا کلف لگا دوپٹہ سنبھالتی اعتماد سے چلتی علیزے کو دیکھتے ہی سامنے کھڑے حمزہ کی آنکھوں میں ویسی روشنی اتر آئی تھی۔ جسے دیکھ کر علیزے ہمیشہ پلکیں جھکا جایا کرتی تھی۔ کلاس روم تک پہنچ کر نظروں کی تپش پر جب اس نے مڑ کر دیکھا تو محویت سے تکتے حمزہ کو دیکھ کر اس کے چہرے کے گلابوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی مڑی اور کلاس میں چلی گئی تھی۔

حمزہ کا مسکراتا چہرہ سامنے سے آتی علینہ کے سامنے تھا۔ اس مسکراہٹ کو اس نے اپنے لیے سمجھا تھا۔ اسے اپنی منزل بے حد قریب محسوس ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ حمزہ کی طرف جاتی شہوز کے بلانے پر وہ تیز تیز قدموں سے چلتا کلاس روم کی طرف چلا گیا تھا۔

"ابھی تو پورا دن پڑا ہے بعد میں مل لوں گی۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی آگے بڑھ گئی تھی اور حمزہ دھنک کے رنگوں میں بسا چہرہ نگاہوں میں لیے کلاس روم میں جا بیٹھا تھا۔ مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اس کا مسکراتا چہرہ کسی اور کو کیا معنی دے گیا ہے۔

☼ ☼ ☼
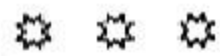
کوئی گیارہ بجے کے قریب علیزے کلاس لے کر نکلی تو کلاس روم کے باہر علینہ کھڑی تھی اور کسی لڑکی سے علیزے کے ہی بارے میں پوچھ رہی تھی۔ علیزے اسے دیکھ کر حیران رہ گئی کیونکہ اس دن کے بعد سے اس کی علینہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

"ہائے علیزے۔" وہ کہتی ہوئی اس کے پاس آ گئی تھی۔

"علینہ تم یہاں کیسے۔" جانے کیوں علیزے کو اس کا یہاں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ اب حمزہ سے ملنے کی ضد کرے گی۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ بالا ہی بالا تمام پرابلمز خود ہی حل کر چکی ہے۔

"میں نے یہاں انگلش ڈپارٹمنٹ میں مائیگریشن کرا لیا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"علیزے' حمزہ کا پتا ہے کہاں ہے وہ؟ کب سے اسے ڈھونڈ رہی ہوں۔ حالانکہ اسے بتایا بھی تھا کہ آج یونیورسٹی میں میرا فرسٹ ڈے ہے۔" وہ ادھر ادھر نگاہ دوڑا رہی تھی۔

"اسے پتا ہے تمہارے یہاں آنے کا۔" اس کے گرد جیسے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔

"ہاں اس نے تمہیں بتایا نہیں اچھی دوستی ہو گئی ہے ہماری۔"

اس کی آواز میں پا لینے کا غرور سا تھا۔

"میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ علینہ وقار زیر کرنے کا ہنر جانتی ہے۔"

اس نے بہت غور سے علیزے کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھا تھا۔ لہجے میں غرور کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔

"علیزے' آپ یہاں کھڑی ہیں اور وہاں سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

شہوز اسے ڈھونڈتا ہوا یہاں آن پہنچا تھا۔

"یہ!!!۔۔۔۔۔۔" علینہ کو دیکھ کر وہ رک سا گیا تھا۔ اتنا مکمل حسن دیکھ کر وہ مبہوت ہی تو رہ گیا تھا۔

"مجھے علینہ وقار کہتے ہیں۔" وہ تنفر سی بولی تھی۔

"تو آپ ہیں علینہ وقار" وہ دل ہی دل میں اسے سراہتا ہوا معنی خیزی سے بولا تھا۔

"مجھے شہوز عباس کہتے ہیں۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔"

شہوز نے تعارف کے ساتھ ہی اسے دعوت بھی دی تھی۔

"لیکن کہاں۔" اس نے اک ادا سے بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔

"دراصل میرا برتھ ڈے ہے۔ تو کینٹین میں فرینڈز کی ایک گیٹ ٹوگیدر ہے۔ علیزے کو بھی اسی سلسلے میں بلانے آیا تھا۔ آپ بھی چلیں۔"

"علیزے آپ کیا سوچ رہی ہیں۔" وہ اسے بتاتے بتاتے علیزے کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جو اتنی دیر سے خاموش کھڑی تھی۔

"حمزہ بھی وہاں پر ہے۔" علیزے کے کچھ بھی کہنے سے پہلے ہی وہ بول پڑی تھی۔

"ہاں وہیں پر ہے۔ آپ چل رہی ہیں۔" شہروز نے کہا تھا۔

"شیور کیوں نہیں۔ چلیں" بھلا ایسا ہو سکتا تھا کہ حمزہ وہاں تھا اور وہ نہ جاتی۔

"علیزے، چلیں۔" شہروز ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"آں' ہاں چلیں۔" وہ ایک خواب کی سی کیفیت میں ان دونوں کے پیچھے چل پڑی تھی۔

کینٹین پہنچنے تک ان دونوں نے آپس میں کیا باتیں کی تھیں اس نے کچھ نہیں سنا تھا اس کے کانوں میں بس علینہ کی ہی باتیں گونج رہی تھیں۔ جو اس نے حمزہ کے متعلق کہیں تھیں۔

"تمہاری اچھی دوستی ہوگئی ہے اس نے تمہیں نہیں بتایا۔ اسے پتا تھا کہ آج میرا فرسٹ ڈے ہے۔"

وہاں کینٹین میں سب لوگ ہی ان کے منتظر تھے۔ علینہ کو ساتھ دیکھ کر حمزہ کی آنکھوں میں غصے کی لہر آئی تھی۔ مگر دوسرے ہی پل وہ دوستوں کا خیال کر کے نارمل ہو گیا تھا۔

"ارے علیزے اب آجائیں بھئی۔ کب سے آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

"دم میں بیٹھیں۔" حمزہ نے علینہ کو قطعی نظرانداز کر کے علیزے سے کہا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کے برابر بیٹھے لیکن وہاں علینہ پہلے ہی بیٹھ چکی تھی۔ علیزے نے ایک خاموش نگاہ اس پہ ڈالی اور سامنے والی چیئر پہ جا بیٹھی تھی۔

علینہ کے چہرے پہ چھائی خوشی اور علیزے کے چہرے کی خاموشی حمزہ کو بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔

علینہ اپنی فطری بولڈنیس کی وجہ سے ان کے گروپ میں چند ہی لمحوں میں گھل مل گئی تھی۔ جبکہ علیزے اپنی بھرپور پرسنالٹی کے باوجود ان چند لمحوں میں ہی پس منظر میں چلی گئی تھی۔ وہاں تقریباً" سارے ہی ارینجمنٹ مکمل تھے۔ ٹیبل پہ بڑا سا کیک بھی رکھا تھا وہاں پر اس کے فرینڈز کے علاوہ جتنے لوگ بھی کینٹین میں موجود تھے انہیں جب پارٹی کا پتا لگا تو وہ سب ہی اس کی برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے آن پہنچے تھے۔ جب کیک کٹ چکا تو علینہ نے سرو کرنے کی ذمہ داری خود لی تھی اور سب کو سرو کرنے لگی تھی۔

"چلیں' اب کچھ انجوائے منٹ ہو جائے۔" شہروز نے سب کو ہی اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"یقیناً" آپ لوگ جانتے ہیں کہ مائی بیسٹ فرینڈ حمزہ احمد' کتنا اچھا ماؤتھ آرگن بجاتے ہیں۔ سو آج میری پارٹی میں' وہ میری فرمائش پر کوئی اچھی سی دھن سنائیں گے۔"

شہروز نے بہت خوبصورتی سے اسے گھیرا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہ رہا تھا۔ لیکن سب لوگوں نے شہروز کی تائید کی تھی۔

"لیکن میں۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"پلیز سنا دیجیے نا۔ سب اتنا اصرار کر رہے ہیں۔" علینہ نے بہت مان سے فرمائش کی۔ علیزے کے دل میں بہت زور سے جیسے کوئی کنکر سا چبھا تھا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ حمزہ نے اسے روک لیا تھا اور اس کی آواز سن کر قدم اٹھنے سے ہی انکاری ہو گئے تھے۔ اسے دوبارہ بیٹھنا پڑا تھا اس نے "جگنو اور آنچل" کی دھن اپنے ماؤتھ آرگن پر سنا کر گویا ماحول پر ایک سحر سا طاری کر دیا تھا۔ وقفے وقفے سے اس کی جگنو بھری نگاہیں علیزے کے صبیح چہرے پر بھی کئی بار ٹھہری تھیں اور اتنی ہی بار علینہ نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ پھر سب نے ہی شہروز کی فرمائش پر کچھ نہ کچھ سنایا تھا۔

"شہروز بھائی۔ میں چلوں گی میری کلاس ہے۔" علیزے گھڑی دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے یار' چھوڑو نا آج کلاس مس کر دو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

اس کی دوست مدیحہ نے اسے روکنا چاہا تھا۔

"نہیں یار۔ سر شمس کی کلاس ہے اور تمہیں پتا تو ہے وہ کتنے سخت ہیں۔"

اور وہ اپنا بیگ اور کتابیں اٹھائے کھڑی تھی۔

"اور ویسے بھی اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں آپ کو میری کمی بھلا کہاں محسوس ہوگی۔"

وہ کہہ کر رکی نہیں تھی بلکہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی اور اس کی یہ سرگوشی حمزہ کو بے چین کر گئی تھی۔ چند لمحوں بعد ہی وہ بھی وہاں سے اٹھ آیا تھا اور علینہ پھر بھلا وہاں کیا کرتی اور یوں آہستہ آہستہ سب لوگ ہی اٹھتے چلے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

جس شخص کو دیکھ کر ایسا لگے کہ یہی زندگی کا حاصل ہے خوشیوں کا محور ہے۔ ایسا بھی لگے کہ پوری دنیا میں صرف اس ایک شخص پر ہی اعتبار کیا جا سکتا ہے اور پھر ایسا ہو کہ بے اعتباری کے کنکر یکے بعد دیگرے دل میں چبھتے چلے جائیں تو دل سے لہو رسنے لگتا ہے علیزے کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ جو محبت کے جگنو ابھی اس کے ہاتھوں میں تھمائے گئے تھے وہ ایک ہی جھٹکے میں اس بری طرح سے واپس کھینچ لیے گئے تھے کہ وہ فقط خالی ہتھیلی کو دیکھتی ہی رہ گئی تھی اور پھر علینہ کس طرح ہر دم دوستی' دوست کی مالا جپنے والی اسے ہر بات سے بری الذمہ ٹھہرا کر خود ہی سارے پرابلمز حل کر گئی تھی۔ آج وہ کتنے شوق سے یونیورسٹی گئی تھی کہ یقیناً" آج کا دن بھی شہروز کی برتھ ڈے پارٹی کی وجہ سے بہت اچھا گزرے گا مگر وہاں علینہ کو دیکھ کر اور پھر اس کے چند جملوں کی بازگشت نے اسے پورا وقت پریشان رکھا۔ اس کے خواب اس کی پلکوں پر ہی دم توڑ گئے تھے۔

"تو تم بھی وہی عام سے نکلے حمزہ احمد میں نے تو تمہیں بہت خاص جانا تھا۔" ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

ہم لڑکیاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں نا۔ بالکل اس پیاسی زمین کی طرح جو بارش کے پہلے قطرے سے لے کر آخری قطرے کو بھی اپنے اندر جذب کر لینا چاہتی ہے لیکن چند دنوں بعد اس کی پیاس پھر سے عود آتی ہے۔ ان قطروں کو اپنے اندر جذب کرتے کرتے یہ بھول جاتی ہے کہ اس بارش کو کہیں اور بھی برسنا ہے اور میں بھی شاید یہ بھول گئی تھی کہ وہ بھی ایک ایسا ہی مرد ہے جو ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ پر وہ اس دل کا کیا کرتی کہ جس کے شہر کا ایک وہی مکین تھا۔ لیکن اس نے اب جان لیا تھا کہ یہ شہر اگر خالی رہے تو زیادہ بہتر ہے۔

☼ ☼ ☼

اس نے جلدی سے بالوں میں برش پھیر کر واپس رکھا' ایک تنقیدی نگاہ آئینے پہ ڈالی' بلیو جینز اور بلیک ٹی شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ مطمئن ہو کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ کی اسٹینڈ سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔ بوا کو بتانے کے لیے ادھر ادھر نگاہ کی لیکن وہ کہیں نظر نہ آئیں۔ کچن میں جھانکا وہاں بھی نہیں تھیں۔ وہ لاؤنج سے باہر نکل آیا۔ باہر اکتوبر کی اوائل دنوں کی بہت سہانی شام تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کے پرجوش استقبال کیا تھا۔ مسکراتے لبوں کے ساتھ سامنے نگاہ کی تو بابا لان چیئر پہ بیٹھے تھے اور بوا انہیں چائے سرو کر رہی تھیں۔ بابا کی نظر اس پہ پڑی تو مسکرا کر اسے پکارا تھا۔ وہ ان کے پاس چلا آیا تھا۔

"السلام علیکم بابا۔" اس نے بابا کی پیشانی کو چومتے ہوئے شام کا سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو۔" جواباً" بابا نے بھی اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اس کی پیشانی کا

بوسہ لیا تھا اور اسے دعا دی تھی وہ باپ بیٹا ایسی ہی محبت کرتے تھے ایک دوسرے سے ''ماما کی ڈیتھ کے بعد روتے بلکتے حمزہ کو انہوں نے ہی اپنے محبت بھرے سینے میں بھینچ لیا تھا اور محبت سے سینچ کر ہی اتنا مضبوط بنایا تھا۔ یہ ان ہی کا بخشا ہوا اعتماد تھا جو آج وہ اتنا کامیاب تھا۔

''کہاں کے ارادے ہیں برخوردار۔'' بابا نے اس کی تیاری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''بابا سچ سچ بتاؤں۔'' اس نے ایک نظر بابا کے چہرے پر ڈالی تھی۔

''گر بتانا چاہو تو۔'' انہوں نے اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھا اور پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگے تھے۔

''بابا' میں علیزے کی طرف جا رہا تھا۔ آج وہ یونیورسٹی نہیں آئی تھی تو اس لیے سوچا کہ......'' حمزہ نے بات کرتے کرتے انہیں دیکھا کہ مبادا'' انہیں برا نہ لگ جائے۔

''علیزے شہاب۔''

علیزے کے نام پہ حمزہ کی آنکھوں میں چمکتے جگنو ان سے پوشیدہ نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے تصدیق کرنا ضروری سمجھا تھا۔ کیونکہ حمزہ نے انہیں علیزے کے بارے میں بتا رکھا تھا اور یہ بھی کہ وہ ان کے گھر بھی جا چکا ہے۔

''جی بابا!'' وہ بلاوجہ ہی فرش کو گھورنے لگا تھا۔

اس سے باپ سے نگاہیں ملانا مشکل لگ رہا تھا۔

''کیا وہ بہت اچھی ہے۔'' انہوں نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

بیٹے کے چہرے کی چمک انہیں بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔

''جی ہوں۔ بہت اچھی ہے۔''

دل میں اس کی خوبصورت ہنسی اب بھی گونجتی ہوئی جلترنگ بجا رہی تھی۔

''تو پھر مجھے کب ان کے گھر لے کر چل رہے ہو۔ میں بھی تو دیکھوں آخر وہ کیسی ہے کہ جس کے نام سے میرے بیٹے کے چہرے پر یوں روشنی پھیلتی ہے۔''

انہوں نے فورا'' ہی دل میں کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے لاڈلے بیٹے کے چہرے پر یہ روشنی' یہ خوشی ہمیشہ یونہی پھیلی رہے۔

''رئیلی بابا' آپ میرے ساتھ چلیں گے۔'' وہ خوشی کے ساتھ تھوڑا بے یقین بھی ہوا تھا۔

''کیوں بھئی۔ کیا میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔'' انہوں نے خالی کپ میز پہ رکھا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے ابھی چلیں اس وقت انکل بھی گھر پر ہوں گے۔ ان سے بھی مل لیجیے گا۔ مگر پلیز' ابھی کوئی بھی بات مت کیجیے گا۔'' وہ فورا'' ہی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کیا مطلب' ابھی کوئی بات کیوں نہ کروں۔'' وہ اٹھتے سے پھر بیٹھ گئے تھے۔

''ابھی نہیں نا بابا بس جب بات کرنی ہوگی میں آپ کو تب خود ہی بتا دوں گا۔ آپ ابھی چلیں تو سہی۔'' حمزہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کھڑا کر دیا تھا۔

''اچھا یار۔ اٹھتا ہوں۔ کپڑے تو بدل لوں میں دو منٹ میں ابھی آتا ہوں۔''

وہ ہاتھ چھڑا کر اندر چلے گئے تھے۔ ورنہ شاید وہ انہیں اسی حلیے میں لے جاتا اور پھر جتنی دیر وہ اندر رہے۔ اس نے گاڑی میں ان کا انتظار کرتے ہوئے جانے کتنی بار ہارن بجایا تھا۔

جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو شہاب صاحب اور ماما چائے پی رہے تھے۔ معاذ حسب معمول عجلت میں چائے پی رہا تھا اور کہیں جانے کو تیار کھڑا تھا۔ البتہ علیزے وہاں موجود نہیں تھی۔ معاذ نے حمزہ کو دیکھا تو اس کے استقبال کو آگے بڑھ آیا تھا۔

''بابا یہ علیزے کے بابا ہیں شہاب زیدی۔'' حمزہ نے ان کا تعارف کرایا تھا۔

''شہاب زیدی۔ اگر میری یادداشت ٹھیک کام کر رہی ہے تو تم وہی شہاب زیدی ہو نا جو اسکول میں میرے برابر بیٹھا کرتے تھے اور جسے سر حمید ناصر سے

بہت ڈر لگتا تھا۔''

انہوں نے ہنستے ہوئے چھیڑا تھا۔

''احتشام احمد وہی احتشام احمد نا جس کی آنکھیں ہمیشہ ایک انوکھی شرارت کے عکس سے چمکتی رہتی تھیں اور جو اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کے ساتھ ساتھ ٹیچرز کا بھی ناک میں دم کر دیا کرتا تھا۔'' وہ بھی انہیں پہچان کر بے اختیار ہی ان کی طرف بڑھ آئے تھے۔ ان کے قریب آتے ہی احتشام احمد نے انہیں کھینچ کر سینے سے لگا لیا تھا اور پھر کتنی ہی دیر دونوں دوست ایک دوسرے کو بھینچے گلے شکوے کرتے رہے۔ ان دونوں نے اکٹھے ہی میٹرک کیا تھا۔ کالج میں سبجیکٹ چینج ہونے کی وجہ سے الگ الگ ہوئے پہلے تو کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی تھی۔ مگر بعد میں جب پریکٹیکل لائف میں آئے تو یہ کبھی کبھار کی ملاقات بھی ختم ہوئی اور آج اتنے دنوں بعد ایک دوسرے سے مل کر دونوں کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ کتنی ہی دیر ایک دوسرے کے گلے لگے کھڑے رہے۔

''او بے وقوف لڑکے تم نے بتایا کیوں نہیں کہ تمہارے انکل شہاب' نیو والے شہاب زیدی ہیں۔''

انہوں نے حمزہ کو لتاڑا تھا۔

''بابا مجھے کیا پتا تھا کہ آپ دونوں دوست ہیں۔'' اس نے فورا'' ہی اپنا دفاع کیا تھا۔

''ہاں واقعی یار اسے کیا پتا تھا۔ لیکن یہ بات تو طے ہے کہ ہمیں ملانے کا سارا کریڈٹ اسے ہی جاتا ہے۔'' انکل نے اس کی پیٹھ پہ تھپکی دی تھی۔

''ارے میں تم لوگوں کا تعارف کرانا تو بھول ہی گیا۔ یہ میری بیگم مسز آصفہ شہاب اور میرا بیٹا ہے معاذ ایم کام کرنے کے بعد آج کل محترم نوکری کے لیے دفتروں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں اور علیزے کو تو تم جانتے ہی ہو۔'' انہوں نے تعارف کرایا تھا۔

معاذ بھی انہیں بالکل حمزہ کی طرح ہی لگا تھا۔ انہوں نے بے اختیار ہی اسے بانہوں میں بھرا اور اس کی پیشانی چوم کر اسے دعائیں دی تھیں۔ حمزہ تو جب سے آیا تھا مستقل ماما کے پہلو سے لگا بیٹھا تھا اور ساتھ ساتھ معاذ سے باتیں بھی جاری تھیں۔

''علیزے کہاں ہے۔'' بابا نے حمزہ کے دل کی بات کہہ دی تھی۔

''وہ اپنے کمرے میں پڑھ رہی ہے بھائی صاحب' جاؤ معاذ' بہن کو بلا کر لاؤ۔''

ماما نے جواب دینے کے ساتھ ہی معاذ کو دوڑایا تھا۔

تقریبا'' پانچ منٹ بعد ہی وہ معاذ کے ساتھ لڑتی ہوئی آئی تھی کہ اگر مہمان آئے ہیں تو ماما کو بلاؤ۔ مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو۔ کیونکہ معاذ نے اسے نہیں بتایا تھا کہ کون آیا ہے اور جب اس کی نظر حمزہ پہ پڑی تو وہ خاموش سی ہو گئی تھی۔ آنکھوں میں پانی اترا تو وہیں دل میں بھی چبھن سی ہونے لگی تھی۔ حمزہ کی پرشوق نگاہوں کے تعاقب میں بابا نے نگاہ کی تھی تو انہیں علیزے بہت پیاری لگی تھی۔ بابا نے جب علیزے کا تعارف کرایا تو اس نے حمزہ کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے صرف بابا کو ہی سلام کیا تھا۔ سلام کا جواب دے کر انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا تھا اور پھر اس سے اس کی پڑھائی وغیرہ کے بارے میں پوچھنے لگے تھے۔ ماما نجانے کب ان لوگوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر کچن میں چائے وغیرہ کا انتظام کرنے چلی گئی تھیں۔

''اچھا بیٹا یہ تو بتاؤ یہ حمزہ کیسا اسٹوڈنٹ ہے۔''

باتیں کرتے کرتے انہوں نے اچانک ہی علیزے سے پوچھا تھا۔ علیزے نے گھبرا کر حمزہ کو دیکھا تھا کہ کیا کہے۔ اس کے چہرے پہ ایک شریر سی مسکراہٹ رقصاں تھی اور آنکھوں میں چمکتے وہی جگنو جو ہمیشہ ہی علیزے کو ڈسٹرب کر دیا کرتے تھے۔

''گھر میں تو میرے سامنے بڑی پڑھائیاں کرتا ہے ہر وقت کمپیوٹر سے چپکا رہتا ہے۔ پوچھنے پر پتا چلتا ہے کہ برخوردار نوٹس بنا رہے ہیں شہروز تو اکثر آتا رہتا ہے۔ پر وہ بے چارہ اس کی دوستی میں ہمیشہ ہی مارا جاتا ہے جب بھی کوئی بات ٹھیک سے بتانے لگتا ہے اس کی ذرا سی آنکھیں دکھانے پر فورا'' ہی بات بدل جاتا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا آج تم سے پوچھوں۔'' وہ مسکرائے تھے۔

"انکل یونیورسٹی میں تو ٹھیک ہیں۔ باقی کلاس کا مجھے زیادہ نہیں پتا۔ کیونکہ یہ ایم بی اے میں ہیں اور میں بی۔ ایس سی آنرز کر رہی ہوں۔ ہاں ان کے ٹیچرز وغیرہ بہت تعریف کرتے ہیں۔ پر ٹیچرز کا کیا ہے وہ تو ہر اسٹوڈنٹ کی ہی تعریف کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو۔" وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔

میرون کلر کے سوٹ میں ملبوس شرارت سے بولتی ہوئی وہ اس لمحے حمزہ کو اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی تھی۔

"اچھا تو یہ گدھا تمہارا اسینئر ہے۔" انہوں نے پیار بھری نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا تھا۔ جانتے تھے وہ کتنا ہونہار ہے۔ بس ایسے ہی علیزے کی رائے جاننے کے لیے اس سے پوچھ رہے تھے۔

"جی انکل اس لیے ان کی تعریف کرنا میری مجبوری ہے۔"

وہ آج سارے بدلے چکانے پر مصر تھی۔

"علیزے تم کیوں میرے بابا کو میرے خلاف بھڑکانے پہ تلی ہوئی ہو۔ وہ شہود کیا کم ہے جب بھی آتا ہے ایک نئی بات انہیں بتا جاتا ہے اور اب تم بھی یار مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔" وہ یونہی ذرا خفگی سے بولا تھا۔

"بیٹا جی آج تو تمہارے سارے پول کھل رہے ہیں۔ اب تو علیزے مجھے ساری باتیں بتایا کرے گی۔ کیوں بیٹے۔" انہوں نے حمزہ سے بات کرتے کرتے علیزے کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"علیزے' پلیز ایسے نہ کرنا۔ میں اپنے بابا کو بہت اچھا والا بیٹا ہوں۔ میری ریپوٹیشن اس طرح خراب مت کرو۔" وہ گھبرا کر بولا تھا۔

"ارے یار تمہیں کیا پتا۔ یہ ہمیشہ اپنے نمبرز بڑھانے کے چکر میں اس طرح کرتی ہے۔ میں پچھلے کئی سالوں سے اس کے زیرِ عتاب ہوں۔" معاذ نے بھی اپنے دل کی بات کی تھی اور اپنے چہرے پر خوامخواہ کی مسکینیت طاری کی تھی۔

"تمہاری تو یہ بالکل ٹھیک شکایت کرتی ہے۔ تمہاری تو حرکتیں ہی ایسی ہیں۔"

اب انکل شہاب نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"بابا آپ بھی کمال کرتے ہیں کیا کیا ہے میں نے کہ آپ کو میری حرکتیں مشکوک لگنے لگی ہیں۔" وہ ذرا برا مان کر بولا تھا۔

"ارے اب کیا ہو گیا۔ آپ پھر میرے بیٹے کو ڈانٹ رہے ہیں۔"

ماما نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔ ملازمہ چائے کی ٹرالی لیے ان کے پیچھے ہی آ رہی تھی۔

"ماما دیکھیں آپ کے اکلوتے بیٹے کے ساتھ یہاں کیسا سلوک ہو رہا ہے۔"

معاذ نے دہائی دی تھی۔ انداز بڑا غمگین تھا۔ سب ہی ہنس پڑے تھے۔ پر تکلف سی چائے نے بہت خوشگوار ماحول میں پی گئی تھی۔ کچھ پرانی' کچھ نئی باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ جب وہ لوگ کھانا کھانے کے بعد جانے کے لیے اٹھے تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ علیزے کا موڈ بے حد خوشگوار ہو چکا تھا۔ وہی جگنو جو اسے دیکھتے ہی حمزہ کی آنکھوں میں چمکنے لگتے تھے ان کا عکس اب اس کے چہرے پر بہت نمایاں تھا۔

"تم ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو غصہ تمہارے چہرے پر قطعی سوٹ نہیں کرتا اور ہاں آئندہ کبھی ناراض نہ ہونا۔ یہ دل اپنی دھڑکنیں کھونے لگتا ہے۔ کل یونیورسٹی میں انتظار کروں گا۔"

جاتے وقت حمزہ کی گئی سرگوشی ابھی بھی اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس کے آس پاس گنگنا رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے تکیے میں منہ چھپا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بے انتہا خوشگوار موڈ کے ساتھ حمزہ گھر واپس آیا تو اس کی خوشنما آنکھوں میں علیزے کا رنگ بے حد نمایاں تھا۔ اس کے لبوں پہ بے حد پیاری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ بابا کو گڈ نائٹ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ جانے کیوں اسے یقین سا ہو چلا تھا کہ علیزے اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ وہ پرکشش سی لڑکی جس کی آنکھوں میں بار بار اس کا دل ڈوب ڈوب جاتا ہے۔ اس کے لیے ہی بنائی گئی ہے۔ وہ اس کی ہو جائے گی اور یہ تصور ہی نہایت خوش کن' خوشگوار تھا۔ وہ فریش ہونے کے بعد حسب معمول اپنا لیپ ٹاپ آن کر کے بیٹھ گیا تھا۔ تب ہی فون کی بیل نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس نے بنا اسکرین پہ نگاہ ڈالے بے حد خوش دلی سے فون ریسیو کیا تھا لیکن دوسری طرف سے آتی آواز سن کر اس کے مسکراتے لب بھینچ گئے تھے۔

"کیسے ہیں آپ حمزہ؟" دوسری جانب علینہ کی چہکتی ہوئی آواز تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" جواب بے حد مختصر تھا۔

اس وقت وہ قطعی طور پہ ڈسٹرب نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مگر ڈسٹرب کر دیا گیا تھا۔

"تھینک یو سو مچ حمزہ۔" دوسری جانب جانے کس بات کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

"تھینک یو بٹ وائے!" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"تھینک یو فور یور اسمائل فیس آپ اپنا وعدہ بھول گئے شاید" یاد دلایا گیا تھا۔

"لیکن آج تو میں نے پورے دن آپ کو کہیں دیکھا ہی نہیں۔" اسے بالکل یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کب علینہ کو دیکھا وہ بھی مسکراتے۔

"اچھا اب اتنے بھی انجان مت بنیے آپ!" اک ادا سے کہا گیا تھا۔

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آپ سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا ہوں۔"

اس نے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"تعلق رکھنا بھی نہیں چاہتے اور دیکھ کر مسکراتے بھی ہیں۔ واہ آپ مرد لوگ بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں نا۔" وہ ہنسی تھی۔

"ہینف مس علینہ وقار۔" اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

"او مائی گاڈ آپ کے منہ سے اپنا نام سننا کتنا اچھا لگتا ہے میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ تو پھر حمزہ آج سے ہم دوست ہوئے نا۔"

"او مائی گاڈ یہ لڑکی۔" وہ سر پکڑ کر بیڈ کی کنارے بیٹھ گیا تھا۔ اسے ابھی بھی ایسا کچھ یاد نہیں آ رہا تھا جس سے اسے یہ غلط فہمی ہوئی تھی۔

"بولیے نا حمزہ۔" مزید اصرار ہوا تھا۔

یکایک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔

"بائے دی وے۔ آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ مجھ سے یہ غلطی کس وقت سرزد ہوئی۔"

بڑے چبھتے ہوئے انداز میں حمزہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"صبح میں جیسے ہی یونیورسٹی میں انٹر ہوئی تو آپ نے مجھے دیکھا اور اسمائل بھی پاس کی۔" علینہ نے تفصیلاً بتایا تھا۔

کسی اور کی طرف دی گئی مسکراہٹ کو یہ لڑکی اپنے لیے سمجھی تھی۔

"اف' یہ لڑکی کس قدر خوش فہم ہے۔"

اب اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیا جواب دے۔

"بتایئے نا حمزہ آپ چپ کیوں ہیں۔" اس کی بے تابی عروج پر تھی۔

"ہم! ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔"

حمزہ نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔ وہ اب سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل نکالنا چاہتا تھا۔ وہ اس لڑکی سے جتنا چھڑا رہا تھا۔ پیچھا چھڑا رہا تھا' وہ اتنا ہی اس کے پیچھے پڑ رہی تھی' اپنے مخصوص انداز میں ماتھا سہلاتے ہوئے وہ گہری سوچ میں غرق تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن اتوار تھا۔ چھٹی والے دن بھی وہ ہمیشہ دس' ساڑھے دس بجے تک اٹھ جایا کرتا تھا۔ لیکن

رات دیر تک جاگتے رہنے کی وجہ سے وہ آج بارہ بجے تک سو رہا تھا۔ بابا کافی دیر سے ناشتے پہ اس کے انتظار کر رہے تھے ہمیشہ چھٹی والے دن چاہے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے۔ وہ دونوں ہمیشہ اکٹھے ہی ناشتا کرتے تھے۔ بوا دوبار اٹھا کر واپس آچکی تھیں۔ مگر اب بھی وہ بے خبر سو رہا تھا۔

"حمزہ بیٹا۔"

بابا نے اس کے منہ سے کمبل ہٹا کر بڑے پیار سے آواز دی تھی۔ مگر جواب ندارد۔

"حمزہ اٹھ جاؤ بیٹا۔"

انہوں نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پھر سے آواز دی تھی۔ اس نے کسمسا کر کروٹ بدل لی۔

"حمزہ بچے اٹھ جاؤ بارہ بج گئے ہیں۔ چھٹی کا دن صرف سونے کے لیے نہیں ہوتا۔" تنگ آکر انہوں نے اس کے اوپر سے کمبل اتارا اور بازو سے پکڑ کر اسے اٹھا کر سیدھا بٹھا دیا۔

وہ شرمندہ سا اٹھ کر بیٹھنے کی بجائے ڈائریکٹ کھڑا ہوا اور جلدی سے واش روم میں گھس گیا۔

فریش ہونے کے بعد ڈائننگ ہال میں آیا تو بابا اخبار پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"گڈ مارننگ بابا۔" حمزہ نے حسب معمول ان کی پیشانی چوم کر صبح کا سلام کیا تھا۔

"گڈ مارننگ بابا کی جان" جواباً بابا نے بھی اس کی پیشانی چوم کر جواب دیا اور ہاتھ پکڑ کر اسے سامنے والی چیئر پر بٹھا دیا تھا۔

"حمزہ!"

"جی بابا۔" اس نے پراٹھا اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھا تھا۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" وہ گھونٹ گھونٹ چائے پی رہے تھے۔

"وہ کیا بابا۔" اس نے نوالہ منہ میں رکھا۔

"میں نے سوچا ہے کہ ـــــ" وہ رک سے گئے تھے۔

جانے اس کا ردعمل کیا ہو۔

"کہیے نا بابا، رک کیوں گئے۔" وہ ہاتھ روک کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"میں نے سوچا ہے کہ تمہاری شادی کر دوں۔" وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"جی!" اورنج جوس حلق میں اٹک سا گیا تھا۔ پھر وہ ہنس پڑا تھا۔

"اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔"

"مگر کس سے بابا، اور پھر ابھی میری ایجوکیشن بھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔"

ذرا حواس بحال ہوئے تو وہ بولا تھا۔

"علیزے سے۔" بابا کی طرف سے بڑا مختصر سا جواب آیا تھا۔

"واٹ؟ کیا کہا بابا آپ نے" وہ حیرت سے بولا تھا۔

"ہاں بھئی وہ تمہیں اچھی لگتی ہے نا۔"

"ہاں مگر بابا، آپ نے یہ سب کیسے جان لیا۔ میں نے آج تک کبھی آپ کو کھل کر تو کچھ نہیں بتایا۔" وہ اتنی شاکنگ نیوز سن کر ناشتا کرنا یکسر بھول چکا تھا۔

"تمہارے دل میں کیا ہے بیٹا جانی یہ بھلا مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ تمہاری آنکھوں میں اس کے نام پہ اترتے رنگ میں نے اول دن ہی محسوس کر لیے تھے۔ جب تم نے پہلی بار اس کا نام لیا تھا۔ اس دن میں نے جان لیا تھا۔ میں آج ہی اس کے باپ سے بات کرتا ہوں۔ یقیناً" وہ انکار نہیں کرے گا۔"

وہ اپنے تئیں سب فیصلے کر کے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"آئی لو یو بابا۔" وہ پیچھے سے آکر ان سے لپٹ گیا تھا۔

"آئی لو یو ٹو میری جان۔" انہوں نے اس کے ہاتھ تھپتھپا کر چومے تھے۔

"جاؤ ناشتا کرو۔" وہ اسے بھیج کر خود اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔ اب وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتے تھے۔

وہ مسرور سا ڈائننگ چیئر پہ آکر بیٹھا تو وہ بے انتہا خوش تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اپنی خوشی کا اعلان پوری دنیا میں کر دے۔ اس کی پلکوں پہ بہت سے خواب، بہت سے ارمان اتر آئے تھے۔ اس پل اسے لگا کہ وہ سامنے [illegible]ی اس کی بے قراری پہ مسکرا رہی ہے۔ لیکن جھپک کر دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔ اپنی بے تابی پر وہ ہنس پڑا تھا اس نے ایک پل کو چاہا کہ وہ کال کرے اسے بھی یہ خوش خبری سنائے مگر پھر رک گیا تھا۔ سوچا اس کے لیے یہ سرپرائز رہنے دیتے ہیں۔ پھر اسے شہروز کا خیال آیا تھا۔ تو وہ اسے بتانے کے لیے فوراً ہی اٹھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بابا تو آج ہی جانے کے لیے تیار تھے مگر کال کرنے پر پتا چلا کہ وہ لوگ آج کسی دعوت میں انوائیٹڈ ہیں اس لیے کل کا پروگرام سیٹ کر لیا گیا تھا۔ رات ڈنر پر بھی وہ دیر تک حمزہ سے اس موضوع پر ہی بات کرتے رہے تھے اور بے انتہا خوش تھے۔ ڈنر کے بعد بابا کو گڈ نائٹ کہنے کے بعد کافی کا مگ تھامے وہ اپنے کمرے میں آیا تو کمرے کی ہر چیز جیسے نئی نئی لگ رہی تھی گنگنا رہی تھی، مسکرا رہی تھی وہ ٹیرس پہ نکل آیا تھا۔ چاند پہ نگاہیں ٹکائے وہ دیر تک اسے سوچنا چاہتا تھا۔ اس کے احساس کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔

الارم نے بارہ بجنے کا اعلان کیا تو وہ اٹھ کر کمرے میں چلا آیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اسے کمرے تک چھوڑنے چلی آئی تھی۔ اس نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا اور ٹیرس کا دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تھا۔ حسب معمول کمپیوٹر آن کر کے بیٹھا تو دل چاہا کہ وہ اسے ایک خوبصورت سا کارڈ بھیجے۔ جس میں اس کے احساسات ہوں، جذبات ہوں، جسے پڑھ کر اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ لب مسکرا اٹھیں اور پھر اس کا تصور کر کے نظر شرما جائے اس نے ایک بے حد خوبصورت کارڈ ڈیزائن کیا اور اسے سینڈ کر دیا تھا اس کے نزدیک کسی حد تک اپنے جذبات، احساسات پہنچانے کا بہترین طریقہ یہ تھا۔ وہ خوش تھا بے انتہا خوش۔

☼ ☼ ☼

"علیزے بیٹا، ناشتا تیار ہے۔"

وہ اپنے کمرے میں جلدی جلدی یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی اس نے کمپیوٹر بھی آن کر رکھا تھا۔ اسے کچھ نوٹس ڈاؤن لوڈ کرنا تھے۔ جن میں سے کچھ تو وہ رات کو ہی کر چکی تھی لیکن لائٹ چلے جانے کی وجہ سے آدھا کام بیچ میں رہ گیا تھا۔ وہ انہیں یو۔ ایس۔ بی میں ٹرانسفر کر رہی تھی کہ اسے یہ نوٹس مدحیہ سے بھی شیئر کرنے تھے اور باہر سے ماما مسلسل آوازیں لگا رہی تھیں۔ جلدی سے اس نے بالوں کو بینڈ میں جکڑا اور تیزی سے جوتے پہننے لگی تھی۔ اتنی دیر میں اس کے کام بھی ختم ہو گیا۔ یو ایس بی نکالتے ہوئے بس ایک لمحے کو اس نے اپنا میل باکس چیک کرنے کو کھولا تھا اور وہاں بکس میں موجود ایک نہایت خوبصورت کارڈ اس کے سامنے تھا۔

"پتا نہیں کس نے بھیجا ہے۔" وہ حیرانی سے بڑبڑائی تھی۔ پھر تیزی سے پڑھنے لگی تھی۔

"حمزہ احمد" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

اس کے لبوں پہ بہت پیاری سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"علیزے جلدی کرو بیٹا۔ تمہاری بس آنے والی ہے۔"

ماما کی آواز ایک بار پھر سے آئی تھی۔

"آرہی ہوں ماما۔" اس نے جلدی سے کمپیوٹر آف کیا۔

بیگ اور بکس لیے وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼
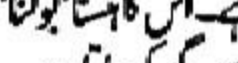
"حمزہ احمد۔" نام لیتے ہی اس کے لبوں پہ دل نشین سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

وہ زندگی سے بھی حسین شخص تھا۔ جس کی مسکراہٹ دل میں پھول کھلا دیتی ہے۔ روح میں اسے دیکھتے ہی سکون سا پھیل جاتا ہے۔ دید کی پیاسی آنکھوں کو قرار مل جاتا ہے۔ اس کا ہنسنا، بولنا، اس کا ہر ہر انداز دل میں اتر جاتا ہے۔ گھر کر جاتا ہے۔

اس نے تکیہ اٹھا کر بازوؤں میں بھر لیا تھا۔ حسین آنکھوں میں نشہ سا تھا۔

"اب تمہیں پانا ہی علینہ وقار کی زندگی کا اولین مقصد ہے۔ کیونکہ جب بھی میں نے کچھ بھی حاصل کرنا چاہا ہے اسے حاصل کرکے ہی دم لیا ہے۔ تمہیں بھی ایک نہ ایک دن میں اپنے حسن کا دیوانہ بنا ہی لوں گی۔ تمہارے دل سے علیزے شہاب کو بھلا نہ دیا تو میرا نام بھی علینہ وقار نہیں ہے۔ اس کی ہر یاد میں تمہارے دل سے مٹادوں گی۔ پھر تم صرف میرے ہوگے صرف میرے۔" اس نے ایک ادا سے بال جھٹکے تھے۔

حسین آنکھوں میں ابھی سے فتح کا سرور کروٹیں لینے لگا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے وہ بھول چکی تھی کہ چیزیں حاصل کرنا آسان ہے مگر انسان نہیں۔ ابھی وہ اس بارے میں مزید کچھ سوچنا چاہتی تھی' ابھی مزید وہ اس سرور میں رہنا چاہتی تھی۔ لیکن بجتے ہوئے سیل نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ وہاں بابا کو چھوڑنے آیا تھا۔ سورج غروب ہوچکا تھا لیکن شام کے سائے ابھی پوری طرح سے گہرے نہیں ہوئے تھے۔ وہ بابا کو باہر ہی سے ڈراپ کرکے آگیا تھا اور ان کو کہہ آیا تھا کہ جب واپس جانا ہو تو مجھے کال کردیجیے گا میں آجاؤں گا۔ اب وہ سلو ڈرائیو کرتا شام کے دھندلکے کو انجوائے کرتا بے انتہا خوشگوار موڈ میں جارہا تھا کہ اچانک ہی کوئی اس کی گاڑی کے سامنے آگیا تھا۔ اگرچہ رفتار بہت کم تھی لیکن پھر بھی اگر وہ بروقت بریک نہ لگاتا تو ایکسیڈنٹ ہونا لازمی تھا۔

"روڈ کو کیا باپ کی ملکیت سمجھ رکھا ہے دیکھ کر گاڑی نہیں چلا سکتے۔" وہ لڑکی ہاتھ سے گرے شاپنگ بیگز جھک کر اٹھانے کے ساتھ چلائی تھی۔

"آئی ایم رئیلی سوری۔ میں تو بہت سلو ڈرائیو کررہا تھا آپ ہی اچانک سامنے آگئیں۔" وہ فوراً" ہی گاڑی سے اتر آیا تھا۔

"آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔" وہ پاس آتے ہوئے بولا تھا۔ ریشمی بالوں نے مکمل طور پر لڑکی کا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔

"لگی تو نہیں ہے اگر لگ جاتی تو اور آپ کیا چاہتے ہیں کہ لگ جاتی کیا؟ ارے حمزہ آپ؟"

وہ تمام بیگز سنبھال کر کھڑی ہوئی۔ بالوں کو چہرے سے جھٹکتے ہوئے سامنے نظر آتے چہرے پہ نظر پڑی تو وہ کھل اٹھی تھی۔

"اوہ آپ!!" وہ لمحہ بھر کو کوفت زدہ ہوا تھا۔

"جی میں' جناب آپ نے تو مجھے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حالانکہ ہم تو پہلے ہی گھائل ہوچکے ہیں۔" وہ ایک ادا سے کہتی قریب چلی آئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ ویسے غلطی میری نہیں تھی۔" وہ اس سے اس وقت بات کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر اب کچھ کہنا تو تھا ہی۔

"اٹس اوکے آئی ایم آل رائٹ۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ لاپروائی سے اس کی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"آئی ایم فائن۔ ایکسکیوزمی پلیز ڈونٹ مائنڈ مجھے کہیں جانا ہے۔" حمزہ اسے قطعی نظر انداز کر کے گاڑی کا ڈور کھولنے لگا تھا۔

"جی نہیں' آپ نہیں جاسکتے۔" علینہ نے اس کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی لے لی تھی۔

حمزہ نے خفگی سے اس کی بے تکلفی کو دیکھا تھا۔

"علینہ پلیز' مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔" حمزہ نے اس کے ہاتھ سے چابیاں لینی چاہیں۔

"پلیز حمزہ' آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتے۔" وہ روہانسی ہوئی تھی۔

حمزہ نے ایک نگاہ اس کے خوبصورت چہرے پر ڈالی تھی۔

"پلیز حمزہ۔"

"بلیک جینز اور بلیک ہی شرٹ میں ملبوس حمزہ احتشام اس وقت پوری طرح اس کے حواسوں پہ چھا رہا

تھا۔ وہ کچھ پل اس کے ساتھ بیٹھنا چاہتی تھی۔ وہ بے تکلفی سے اس کا بازو تھامے کھڑی تھی۔ ارد گرد سے گزرتے کتنے ہی لوگوں نے انہیں دیکھا تھا۔ حمزہ کو بہت عجیب لگ رہا تھا۔

"اوکے۔" حمزہ نے ہار مان لی تھی۔

صرف اس لیے کہ وہ کہیں بیٹھ کر اطمینان سے اسے سمجھا سکے کہ جیسا وہ چاہتی ہے ویسا نہیں ہوسکتا اور پھر کچھ ماحول اور جگہ بھی ایسی بن گئی تھی کہ حمزہ کو ماننے ہی بنی تھی۔

"او تھینک یو حمزہ اس ریسٹورنٹ میں چلیں۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہوتی سامنے روڈ کے پار بنے ریسٹورنٹ کی طرف اشارہ کرنے لگی تھی۔

"وہاں کی کافی بہت زبردست ہوتی ہے۔ میں وہیں تو جارہی تھی کہ آپ مل گئے۔" وہ اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں چلا آیا تھا۔ کافی پیتے ہوئے بھی وہ بار بار اپنی خوشی کا اظہار کررہی تھی۔ جبکہ حمزہ نے اپنی کافی بس چند گھونٹ پینے کے بعد چھوڑ دی تھی اور بس مگ کے کنارے انگلی پھیرتے ہوئے بے دھیانی سے اسے سن رہا تھا۔ سارا دھیان تو بابا کی طرف لگا تھا کہ وہاں کیا ہورہا ہوگا۔

"میرا خیال ہے علینہ کہ اب ہمیں چلنا چاہیے۔" تقریباً" آدھے گھنٹے بعد حمزہ نے اسے کہا تھا۔

"او شیور میں جانتی ہوں حمزہ کہ آپ کو برا لگا کہ میں یوں آپ کو یہاں لے آئی۔ آئی ایم سوری مگر میں کیا کروں۔ میں اپنے دل کے ہاتھوں بار بار مجبور ہوجاتی ہوں۔"

وہ فوراً" ہی اپنی براؤن آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔

"اٹس اوکے بٹ آئندہ خیال رکھنا۔ لڑکیوں کا یوں خود کو ارزاں کرنا مجھے قطعی پسند نہیں ہے اور بہتر یہی ہوگا کہ تم ابھی سے خود کو سنبھال لو۔"

حمزہ نے بل کے پیسے ٹیبل پہ رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"دکھاوٹی فیل کرنے کی بجائے خود کو سنبھالو۔ خواہ مخواہ خود کو ضائع مت کرو۔ یوں کسی کے پیچھے بھاگنے سے ہم اس کی اہمیت تو ضرور بڑھا دیتے ہیں۔ جس کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں مگر اس دوڑ میں ہم اپنا آپ کہیں بہت دور چھوڑ آتے ہیں۔ خود کو بہت پیچھے دھکیل دیتے ہیں اور پھر ہماری اہمیت نہ اپنی نظروں میں رہتی ہے اور نہ کسی اور کی نظروں میں سو بہتر یہی ہے کہ تم اپنی اہمیت کو مت ختم کرو۔ تھینکس فور کافی۔" حمزہ نے ایک نظر اس کے جھکے سر پہ ڈالی اور چابی اور موبائل اٹھاتا اس سے پہلے ہی ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا تھا۔

"اہمیت کس کی بڑھتی ہے اور کس کی گھٹتی ہے یہ تو تمہیں وقت ہی بتائے گا حمزہ احتشام۔ علینہ وقار نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا اور اس بار بھی جیت میرا ہی مقدر ہوگی۔"

علینہ نے اپنے اکلوتے آنسو کو انگلی کی پور سے اڑایا تھا اور مسکرا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یار شہاب' آج میں تمہارے پاس ایک بہت ضروری کام سے آیا ہوں اور امید ہے تم مایوس نہیں لوٹاؤ گے۔" احتشام احمد نے علیزے کے ہاتھ سے چائے کا کپ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں تم نے فون پہ کہا تو تھا کہ تمہیں کوئی ضروری بات کرنا ہے۔ کیا بات ہے بتاؤ۔"

شہاب زیدی نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

اس وقت ڈرائنگ روم میں سب ہی موجود تھے اور منتظر تھے کہ وہ کیا بات کرتے ہیں۔

"یار مجھے تو تم جانتے ہی ہو اور حمزہ کو مجھ سے بھی ملنے سے پہلے ہی جانتے ہو۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ بس آج میں تم سے بہت امید سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔"

انہوں نے علیزے کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا تھا

نجانے کیوں علیزے کو دیکھتے ہی انہیں اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔

"کیا مطلب بھائی صاحب' ہم سمجھے نہیں۔" آب کے ماما نے ان سے پوچھا تھا۔

"بھابھی میری دلی خواہش ہے کہ آپ علیزے کو میری بیٹی بنادیں۔ آپ لوگ تو جانتے ہیں کہ میرے گھر میں کوئی عورت نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو شاید ہم لوگ تمام رسم و رواج کے ساتھ آپ سے علیزے کو مانگتے۔ مگر اب سب کچھ مجھے ہی کرنا ہے اور میں جب سے علیزے سے ملا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میرا گھر اس کے بغیر ادھورا ہے۔ اگر آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔"

یہ سب اتنا اچانک کہا تھا انہوں نے کہ کوئی بھی ابھی اس بات کے لیے تیار نہ تھا۔ علیزے تو فوراً ہی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

"تمہاری خواہش سر آنکھوں پہ مگر احتشام ابھی تو بچوں کی پڑھائی بھی پوری نہیں ہوئی اور۔۔۔" شہاب زیدی نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"میں مانتا ہوں شہاب تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بس اگلے مہینے حمزہ کے فائنل ایگزام ہیں۔ اس کے بعد تو وہ میرا بزنس مکمل طور پہ سنبھال لے گا اور اب بھی کافی حد تک ذمہ داری اس نے ہی اٹھا رکھی ہے اور جہاں تک بات علیزے کی پڑھائی کی ہے تو ہماری طرف سے اس پہ کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ وہ جب تک جہاں تک چاہے پڑھ سکتی ہے۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے اور پھر آپ لوگ اچھی طرح سوچ لیں پھر جیسا آپ مناسب سمجھیں فی الحال ہم منگنی کردیں گے۔ بریار مجھے مایوس مت کرنا۔ چند دن میں ہی علیزے مجھے بہت عزیز ہوگئی ہے اور پھر حمزہ کی بھی یہی خواہش ہے۔ آگے آپ لوگوں کی مرضی۔"

وہ اتنے خلوص سے یہ سب باتیں کررہے تھے کہ وہ لوگ کچھ کہہ ہی نہیں پائے تھے۔

"ٹھیک ہے احتشام میں تمہاری خواہش کا، خلوص محبت کا دل سے احترام کرتا ہوں مگر ہمیں تھوڑا ٹائم دو۔ دراصل علیزے کے ماموں کی بھی کافی عرصے سے یہی خواہش ہے۔ سو۔۔۔ تم سمجھ رہے ہوناں۔" شہاب زیدی نے ایک نظر بیگم پہ ڈالی اور ان سے کہا تھا۔ ماما تو مکمل اٹھی تھیں ان کی بات سن کر انہیں تو ویسے ہی حمزہ بہت پسند تھا۔ پر ایک دم سے فیصلہ بھی تو نہیں کیا جاسکتا تھا ناں آخر بیٹی کا معاملہ تھا۔

"ٹھیک ہے شہاب میں منتظر رہوں گا۔" وہ خوش دلی سے مسکرائے تھے۔

"آپ اور چائے لیں ناں بھائی صاحب۔ آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں بس باتیں کیے جارہے ہیں آپ لوگ۔"

ماما نے ان سب کا دھیان بٹایا تھا۔

"بس بھابھی' بہت شکریہ میں اب چلوں گا۔ وہ گدھا بے چینی سے میرا انتظار کررہا ہوگا۔ چھوڑ کے بھی خود گیا ہے اور لینے بھی محترم خود ہی آئیں گے۔ اس لیے اب مجھے اجازت۔"

انہوں نے جانے کے ساتھ حمزہ کو میسج بھی کردیا تھا کہ وہ انہیں لینے آجائے۔

"اچھا وہ آیا تھا آپ کو چھوڑنے تو اندر کیوں نہیں آیا۔" ماما کچھ خفگی سے بولیں۔

"میں نے منع کردیا تھا بھابھی۔" انہوں نے ہنس کر کہا اور سب سے مل کر باہر چلے آئے تھے۔ جہاں گھر سے دور گاڑی میں حمزہ ان کا انتظار کررہا تھا۔ سب کو گیٹ پہ بابا کے ساتھ آتے دیکھا تو وہ سب سے ملنے گاڑی سے اتر آیا تھا۔ آصفہ نے پیار بھری سرزنش کے ساتھ اس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی سب سے ملنے کے بعد اس نے بابا کے پہلو میں کھڑی علیزے پہ ایک مسکراتی نگاہ ڈالی تھی۔ وہ مزید سمٹ کر ماما کے پیچھے جا چھپی تھی۔ ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا۔ وہ شوخ سی نگاہ اس پہ ڈال کر بابا کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھا تھا۔

"کیا بات ہے حمزہ! اتنے خاموش کیوں ہو بیٹا۔" کتنی ہی دیر اس کی خاموشی کو محسوس کرنے کے بعد بابا نے اس سے پوچھا تھا۔

ورنہ وہ سوچ رہے تھے کہ وہ بے تابی سے ایک ہی سانس میں ان سے سب پوچھ ڈالے گا۔

"کچھ نہیں بابا بس ویسے ہی۔"

پتا نہیں کیوں اس سے اسے علینہ وقار کی آنکھوں کی نمی گلٹ میں مبتلا کررہی تھی۔

"اچھا' ویسے میں تو سوچ رہا تھا کہ تم بے صبری سے میرا انتظار کررہے ہوگے۔ مگر تمہیں تو کوئی جلدی نہیں ہے۔" بابا نے مسکراتی نگاہ اس پہ ڈالی تھی۔ وہ بھی مسکرادیا تھا۔

"میں نے سوچا بابا' آپ خود ہی بتادیں گے۔ اگر میں خود سے پوچھوں گا تو آپ کہیں گے کہ اسے بہت جلدی ہے۔" یکدم ہی دل میں خوشگواری سی در آئی تھی۔

"اچھا چلو پھر ٹھیک ہے آرام سے رات کو کھانے کے بعد بات کریں گے۔ ٹھیک ہے۔"

وہ بے نیازی سے کہہ کر باہر دوڑتے مناظر کو دیکھنے لگے تھے۔

"اچھا بابا' بتائیں ناں' تنگ نہ کریں۔" بالآخر اس نے خود ہی پوچھ لیا تھا۔

"نہیں تھوڑا ٹائم چاہیے۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئے تھے۔

"کیوں۔" وہ سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"دراصل بات یہ ہے بیٹا کہ علیزے کے ماموں کی بھی یہی خواہش ہے اس لیے بیٹا اور پھر ایسی باتیں یوں لمحوں میں طے نہیں ہوتیں کچھ وقت تو لگتا ہے ناں۔ آخر پوری زندگی کا معاملہ ہے۔"

وہ بہت غور سے حمزہ کو دیکھ رہے تھے وہ تھوڑا سا اپ سیٹ ہوا تھا۔ ان کی بات سن کر۔

"تم کیوں پریشان ہوتے ہو بیٹا۔ اللہ پہ بھروسہ رکھو وہ سب ٹھیک کردے گا اور وہ چاند ہمارے گھر ہی اترے گا ان شاءاللہ' تم اپنی پڑھائی پر توجہ دو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں نے اسی خدشے کے پیش نظر شہاب کے کان میں بات ڈالی تھی۔ اب وہ فیصلہ کرنے سے پہلے سوچے گا ضرور ورنہ مجھے بچوں کی پڑھائی کے دوران ایسی باتیں قطعی پسند نہیں ہے۔ اب تم منہ مت لٹکاؤ یار۔" انہوں نے اسے سمجھایا تھا۔

اب وہ قدرے ریلیکس تھا۔ بابا ہمیشہ یونہی اس کی ہر پریشانی منٹوں میں دور کردیتے تھے۔

"ویسے بابا اگر میں فائنل ایگزام میں فیل ہوگیا تو۔" وہ قدرے پریشانی سے بولا تھا۔

"تو بیٹا' میرے تو تم بیٹے ہو۔ برداشت کرلوں گا مگر علیزے کے لیے ایسا کوئی لڑکا ڈھونڈ لوں گا جو کم از کم اپنے فائنل ایگزام کلیئر کرچکا ہو۔ اب وہ ایسے نکمے لڑکے سے تو شادی کرنے سے رہی۔"

"بابا۔" وہ حیرت سے چلایا تو وہ ہنس پڑے تھے اور محبت سے اس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی اور دل ہی دل میں اسے کتنی ہی دعائیں دے ڈالی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"پھر کیا سوچا آپ نے؟ احتشام بھائی کو کیا جواب دیا جائے۔ کتنے ہی دن گزر گئے ہیں۔"

آصفہ نے رات کے کھانے کے بعد چائے کا کپ انہیں تھماتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ بتائیے آپ نے کیا سوچا۔" انہوں نے کپ تھام کر ان سے پوچھا تھا۔

"میں کیا بتاؤں مجھے تو اس رشتے میں کوئی کمی نظر نہیں آئی۔" وہ۔۔۔ ان کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"میں تو آپ کی وجہ سے ہی خاموش ہوں۔ میں نے سوچا کہ آپ کے بھائی کی بھی یہی خواہش ہے۔ تو جیسا آپ کو مناسب لگے۔ آپ علیزے کی ماں ہیں اسے بہتر سمجھتی ہیں۔"

انہوں نے فیصلہ کرنے کا حق انہیں سونپ کر ان کا مان بڑھادیا تھا۔ وہ خوش دلی سے مسکرادیں۔

"سچ کہوں تو فرحان ہے تو میرا بھتیجا پر اس حساب سے مجھے کچھ خاص پسند نہیں ہے۔ ٹک کر کوئی کام نہیں کرتا کبھی ایک کام تو کبھی دوسرا۔ بھائی کی ریٹائرمنٹ کے بعد بڑے محسن نے ہی سب کچھ

سنبھال رکھا ہے۔ وہاں میرا دل نہیں مانتا عجیب لاپروا سا لڑکا ہے وہ۔" انہوں نے کھل کر اپنے دل کی بات کی تھی۔

"ہاں خیال تو میرا بھی یہی ہے پھر سوچا بھائی کو کہیں برا نہ لگ جائے۔ انہوں نے بہت پہلے سے کہہ رکھا ہے۔" وہ گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔

"اس میں برا لگنے کی کیا بات ہے علیزے ہماری بیٹی ہے پوری زندگی کا معاملہ ہے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کریں گے نا اور پھر بھائی صاحب خود فرحان سے نالاں رہتے ہیں۔ میں خود ہی انہیں سنبھال لوں گی آپ کو جو فیصلہ کرنا ہے بے فکر ہو کر کریں اور سچ پوچھیں تو میرے دل کو حمزہ نے موہ لیا ہے۔ بہت ہی پیارا سمجھدار بچہ ہے۔"

کب سے ان کی خواہش تھی کہ ایسا ہو جائے اور اب جبکہ خدا نے موقع دیا تھا تو وہ کیونکہ ناشکر کرتیں۔

"ہاں یہ تو ہے چلو پھر ایسا کرو —— ایک بار علیزے سے بات کرلو۔ دیکھو وہ کیا کہتی ہے۔ پھر ہمارے لیے ہی فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ بہت فرماں بردار اور سمجھدار ہے میری بیٹی۔" وہ محبت سے بولے تھے وہ مسکراتی ہوئی خالی کپ اٹھا کر کچن میں رکھنے چلی آئیں۔ کپ کچن میں دھو کر رکھا پلٹ کر اپنے کمرے میں آرہی تھیں کہ علیزے کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھی تو وہیں چلی آئیں سوچا یہ کام نمٹ جائے تو اچھا ہے۔

"علیزے کیا کر رہی ہو بیٹا۔" وہ دستک دے کر اندر چلی آئیں۔ جہاں حسب معمول وہ کتابیں پھیلائے پڑھنے میں مصروف تھی۔

"کچھ نہیں ماما۔ بس سونے ہی لگی تھی آپ کو کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔"

وہ بیڈ سے کتابیں سمیٹ کر ان کے لیے جگہ بنانے لگی۔

"کیوں بھئی میں اپنی بیٹی کے پاس نہیں آسکتی؟" وہ وہیں اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"ارے نہیں ماما میں تو یوں ہی کہہ رہی تھی۔" وہ ہنس پڑی تھی۔ اس سے آصفہ نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔ کتنی جلدی بڑی ہوگئی تھی ان کی ننھی سی بیٹی۔ ابھی کل کی ہی بات لگتی تھی کہ جب اس نے پہلا قدم اٹھایا تھا۔

"علیزے بیٹا تم جانتی ہو نا اس دن احتشام بھائی آئے تھے تو وہ کس وجہ سے آئے تھے تم نے سن تو لیا تھا نا کہ ان کی کیا خواہش ہے۔"

"جی ماما۔" ماما نے اس سے اس کی آنکھوں میں کتنے ہی جگنو روشن دیکھے تھے۔

"تو بیٹا' میں اور تمہارے بابا جاننا چاہتے ہیں کہ تمہارا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے ماموں بھی ایسا ہی چاہتے ہیں۔ فرحان کو تو تم جانتی ہی ہو مگر ہمارا زیادہ جھکاؤ حمزہ کی طرف ہے اب تم بتاؤ۔" انہوں نے محبت سے اس کے بکھرے بال سمیٹے تھے۔ وہ یکدم ہی سر جھکا گئی تھی۔

"جو آپ کی مرضی ماما جیسا آپ لوگ چاہیں۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔"

دھیمے سے وہ بولی تو آصفہ نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"مجھے معلوم تھا میری بیٹی کا یہی جواب ہوگا اور تم بے فکر رہو بیٹا ہم ہمیشہ تمہارے لیے بہترین ہی چاہیں گے اور ان شاء اللہ اللہ بھی ہمارا ساتھ دے گا۔"

انہوں نے محبت سے اسے کہا تو اس نے ماں کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ آپ ہی در آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم علیزے سے شادی کر رہے ہو۔"

اپنا فائنل پروجیکٹ جمع کروانے کے بعد حمزہ جیسے ہی آفس سے باہر اپنی گاڑی کی طرف آیا وہ غراتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

"تم مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہی ہو۔" وہ ٹھٹک کر وہیں رکا تھا۔

"مجھے میری بات کا جواب چاہیے۔ تم علیزے سے شادی کر رہے ہو یا نہیں۔"

آج بڑے دنوں بعد وہ یونیورسٹی آئی تو یہ اڑتی اڑتی خبر اس تک پہنچی تھی۔ تب سے وہ جھلس رہی تھی۔

"ہاں تو۔" حمزہ نے سرسری سا پوچھا تھا۔

وہ جتنا اس سے چڑتا تھا وہ اتنا اس کے پیچھے آتی تھی۔

"کیوں۔" بڑے عجیب سے لہجے میں اس نے پوچھا تھا۔

"تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو۔" حمزہ کو بہت برا لگا تھا اس کا یوں بات کرنا۔

"کیوں میں تم سے محبت کرتی ہوں حمزہ احتشام اور اس بات کا اظہار میں بارہا کر چکی ہوں۔" وہ انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتی جانے کیا باور کرا رہی تھی۔

"تو یہ تمہارا مسئلہ ہے میرا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی ان ہی لوگوں کے ساتھ گزارنا پسند کرتا ہوں۔ جو مجھے پسند ہیں اور جن سے میں محبت کرتا ہوں اور تم ان میں سے نہیں ہو۔ مائنڈ اٹ۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ چند قدم آگے بڑھ آیا تھا۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو۔" چند لمحوں کو علینہ وقار کا لہجہ دھیما پڑا تھا۔

"تم کیا کہہ رہی ہو میں سمجھ نہیں پا رہا۔ میں نے کب تمہیں کوئی امید دلائی یا کب تمہیں کوئی محبت کا خواب دکھلایا۔ میں نے بہت پہلے تمہیں سمجھا دیا تھا کہ ویسا نہیں ہو سکتا جیسا تم چاہتی ہو۔ پھر بھی تم نے اگر اپنی آنکھوں میں میرے خواب سجا لیے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ لیکن میں زبردستی کے رشتے نہیں نبھاتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم آئندہ میرے راستے میں نہ آؤ۔" وہ پلٹ کر اس کے پاس آیا ضرور تھا۔ مگر بہت کچھ باور کرا گیا تھا۔

"ایسا کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں ہے۔"

وہ اس کے قریب آئی تو وہ چند قدم پیچھے کو ہٹا تھا۔

جانے کیوں حمزہ کو اس سے اس کی دیوانگی سے خوف آرہا تھا۔

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔ پھر بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ اس دل کی ہر دھڑکن پہ صرف ایک ہی نام ہے اور وہ ہے علیزے شہاب۔"

وہ ایک ہی جملے میں سب کچھ کہتا زن سے گاڑی نکال لے گیا تھا اور علینہ وقار شیخ پاسی وہیں کھڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہائے سویٹی کہاں تھیں صبح سے۔"

علینہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی تو خالہ کہیں جانے کے لیے بالکل تیار تھیں۔

"میں یونیورسٹی گئی تھی آنٹی۔" وہ تھکی تھکی سی تھی۔

"او اچھا ٹھیک ہے۔ تم لنچ کرلینا' تیار ہی ہوگا مجھے کہیں ضروری جانا ہے اور ہاں جاذب گھر پہ ہی ہے اوکے۔" وہ اس کے گال پہ پیار کرتی اپنی ساڑھی سنبھالتی باہر چلی گئی تھیں۔

"اوکے آنٹی۔" وہ لاؤنج میں رکھے صوفے پہ ڈھیر سی ہوگئی تھی۔

پورے وجود پہ عجیب پژمردگی سی چھائی ہوئی تھی۔

"ہائی سویٹ ہارٹ کہاں کھوئی ہوئی ہو۔"

جاذب اپنے کمرے سے نکل کر اس کے برابر آکر بیٹھ گیا تھا۔

"کہیں نہیں تم آج گھر پہ کیسے" وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

بلیک جینز اور بلیک سلیولیس شرٹ میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔

"بس آج زیادہ کام کرنے کا موڈ نہیں تھا۔ اس لیے آفس سے جلدی گھر آگیا۔"

جاذب نے بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

علینہ اپنے پیرنٹس کے آؤٹ آف کنٹری جانے کی وجہ سے آج کل اپنی خالہ کے گھر رہ رہی تھی۔ جاذب' خالہ کا چھوٹا بیٹا تھا۔ بڑا بیٹا جہاں زیب شادی

شدہ تھا اور اپنی بیوی کے ساتھ الگ گھر میں رہتا تھا۔ انکل بزنس کے سلسلے میں کبھی کہیں تو کبھی کہیں اور انکل کی غیر موجودگی میں جاذب ہی ان کا بزنس سنبھالتا تھا۔ جاذب بالکل ویسا ہی تھا۔ جیسے امیر ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولاد ہوتی ہے ایک بگڑا ہوا امیر زادہ جو اپنی ساری زندگی عیاشی میں گزارنا پسند کرتا ہے بنا کسی نفع نقصان کے اور آج کل اس کی نظر کرم علینہ وقار پہ تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے۔ اتنی اپ سیٹ کیوں ہو۔" جاذب نے انگلی سے چہرے سے اس کے بال ہٹائے تھے۔

"کچھ نہیں، مجھے بھلا کیا ہوگا۔" وہ کسی سوچ میں غرق تھی۔

ویسے بھی وہ اپنے پرنسلز کسی سے کم ہی شیئر کیا کرتی تھی۔

"ایک بات کہوں علینہ" جاذب اس لمحے اس کے انتہائی قریب بیٹھا تھا اور اسے احساس تک نہیں تھا۔

"ہوں بولو۔" وہ کسی اور ہی دھیان میں تھی۔

"تم بہت خوب صورت ہو بالکل کسی کانچ کی نازک گڑیا کی مانند جو ذرا سا ہاتھ لگانے سے میلی ہو جائے بے حد حسین۔" جاذب نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"بہت پرانی خبر ہے یہ تمہیں آج پتا چلا ہے۔" اس کی خود پسندی عود آئی تھی۔

"تم سے محبت کرنے لگا ہوں یار۔ آج کل میرا دل صرف تمہیں دیکھ کر دھڑک اٹھتا ہے۔ میں تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں کچھ بھی۔"

وہ اس کا ہاتھ اپنے لبوں تک لے جانا ہی چاہتا تھا کہ علینہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"کچھ بھی ـــــ" اس سے علینہ کی آنکھیں میں ایک چمک سی اٹھی تھی۔

"ہوں کچھ بھی ـــــ جیسا تم کہو۔" وہ اس لمحے مکمل طور پہ اس کے کنٹرول میں تھا۔

"تو پھر اپنی بات یاد رکھنا۔ تمہیں تب ہی علینہ وقار کی محبت نصیب ہوگی جب تم اس کے لیے کچھ کر دکھاؤ گے اور تمہیں کیا کرنا ہے یہ میں تمہیں جلد ہی بتاؤں گی۔ تب تم ثابت کرنا کہ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے جاذب سے کیا کام لینا ہے۔

"او کے میری جان بندہ حاضر ہے۔ جب کہو اور جیسا کہو ہم پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

وہ اس کے آگے سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ قہقہہ لگا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اب اس کی ٹینشن کسی حد تک کم ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

برقی قمقموں سے سجے گھر کی آرائش آج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ پورا گھر جگ مگ کر رہا تھا۔ زرق برق آنچل ہر طرف لہرا رہے تھے۔ قہقہے اور خوشیاں ہر سو بکھری تھیں۔ دلہن بنی علیزے شہاب کی چھب ہی نرالی تھی۔ سہیلیوں کے جھرمٹ میں گھری علیزے اس وقت شرمائی شرمائی سی بہت حسین لگ رہی تھی۔ بس کچھ ہی دیر میں اس کے سسرال والے منگنی کی رسم ادا کرنے آنے ہی والے تھے۔ اس کی آنکھوں میں چمکتی خوابوں کی دستک اسے بہت دلکش لگ رہی تھی۔ مانگ میں سجی افشاں میں قوس و قزح کے سارے ہی رنگ تھے۔ کانوں میں سجے آویزوں کا ایک ایک نگ آنے والے کا انتظار کر رہا تھا۔ بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ کسی نے کان میں سرگوشی کی کہ وہ لوگ آچکے ہیں۔ لبوں پہ شرمیلی مسکراہٹ آپ ہی کھل اٹھی تھی سب ہی لڑکیاں باہر چلی گئی تھیں۔

"ہیلو علیزے؟"

ان سب لڑکیوں کے جانے کے چند سیکنڈ بعد لاریب اندر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ لاریب علیزے کی چچا زاد تھی اور اس کی بہت اچھی دوست بھی۔ چند مہینے قبل ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔ علیزے

نے ایک غصے بھری نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی لاریب خود ہی صفائیاں پیش کرنے لگی تھی۔

"آئی ایم ویری سوری یار۔ مجھے پتا ہے تم بہت ناراض ہو۔ لیکن تم جانتی ہو نا کہ آشان ہمیشہ دیر کروا دیتے ہیں۔" اسے گلے لگا کر بڑی محبت سے پوچھنے لگی تھی۔

"ناراض تو تھی لیکن تمہارے نہ آنے تک۔ اب تم آگئی ہو تو ساری ناراضی ختم۔"

علیزے نے مسکرا کر اس کے ہاتھ تھامے تھے۔

"حمزہ کو دیکھا۔" لاریب نے شرارت سے پوچھا تھا۔

"اونہوں۔" وہ سر جھکا گئی تھی۔

"اللہ رے شرمائیں۔ ویسے میں اندر آتے ہوئے ابھی ہو کر آئی ہوں اس سے۔ بڑا زبردست لگ رہا ہے۔ ویسے کم تو تم بھی نہیں لگ رہیں۔" لاریب نے پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوئی تھی۔ علیزے کے چہرے پہ اس لمحے بڑی خوب صورت مسکراہٹ بکھری تھی۔ ابھی لاریب اسے مزید جتا ہی رہی تھی کہ ماما نے پیغام بھجوایا۔

"لاریب، علیزے کو لے کر باہر آجاؤ۔" جب لاریب اسے لے کر باہر آئی تو داخلی دروازے سے لان تک دونوں اطراف لڑکیاں پھول تھامے کھڑی تھیں۔

اس نے جیسے ہی باہر قدم رکھا تو اسے لگا کہ جیسے کسی نے اس پہ پھولوں کی بارش کر دی ہو۔ ہر طرف خوشبو ہی خوشبو بکھری تھی۔ وہ لاریب کے ساتھ لان کے ایک طرف بنے اسٹیج کے پاس پہنچی تو بابا نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا۔ ماما نے اسے محبت سے گلے لگانے کے بعد اسے حمزہ کے پہلو میں ذرا فاصلے پہ بٹھا دیا تھا کہ منگنی کی رسم مشترکہ ہی ہوئی تھی۔ حمزہ کو اس سے اپنا پہلو روشن محسوس ہوا تھا۔ اس کا معصوم حسن سجا سنورا اس لمحے آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ تو بلیک ٹو پیس میں حمزہ بھی بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"شہاب تم سے ایک بات کرنا تھی۔"

سب کو علیزے اور حمزہ میں مصروف دیکھ کر احتشام انکل انہیں ایک کونے میں لے آئے تھے۔

"ہاں بولو کیا بات ہے۔" وہ یکدم پریشان سے لگنے لگے تھے۔

"دراصل میں چاہتا ہوں کہ آج ہم منگنی کی بجائے نکاح کر دیں تو زیادہ بہتر نہیں ہوگا۔ رخصتی علیزے کی پڑھائی ختم ہونے کے بعد کریں گے۔"

"مگر کیوں بات تو منگنی کی ہوئی تھی نا۔" اس قدر اچانک اس بات پر وہ گھبرا گئے تھے۔

"کیا بات ہے آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں۔" آصفہ ان دونوں کو وہاں نہ پا کر ڈھونڈتی ہوئی ان تک آن پہنچی تھیں۔ تو جواب میں انہیں بھی ساری بات بتا دی گئی تھی۔

"مگر بھائی صاحب اتنی جلدی کیا ہے۔" سن کر وہ بھی سٹپٹا گئیں۔

"دیکھیں بھابھی نکاح تو ہونا ہے نا اگر آج ہو جائے تو کیا برا ہے پھر موقع بھی ہے۔" وہ بضد تھے۔

"ٹھیک ہے احتشام جیسے تمہاری مرضی علیزے اب تمہاری بیٹی ہے۔ جیسا تم چاہو۔"

انہوں نے یکدم ہی کوئی فیصلہ کیا تھا اور آصفہ کو بھی اشارے سے سمجھا دیا تھا۔

"تھینک یو یار مجھے پتا تھا تم میرا مان رکھو گے اس لیے میں نکاح خواں کا بندوبست کر کے آیا تھا بس ابھی انہیں فون کر کے کنفرم آنے کو کہہ دیتا ہوں۔"

وہ شہاب زیدی کے گلے لگ گئے تھے۔ تو وہ بھی مسکرا دیئے تھے اور پھر محض ایک گھنٹے بعد ہی وہ دونوں نکاح جیسے مقدس اور انوٹ بندھن میں بندھ چکے تھے۔

یہ سب کچھ اتنی اچانک ہوا کہ علیزے ابھی تک حیران تھی جبکہ حمزہ مطمئن تھا۔ کیونکہ وہ یہ سب جانتا تھا۔ کل رات ڈنر کے دوران جب منگنی کی تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ نجانے کس خدشے کے پیش نظر اس نے بابا سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ پہلے تو نہیں مانے۔ پھر مان گئے تھے اور اب وہ مطمئن تھا۔ پھر

نکاح کے کچھ دیر بعد جب علیزے نے لاریب سے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہے تو یک دم ہی حمزہ نے صوفے پہ رکھے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ شاکنگ پنک اور ریڈ کنٹراس کے سوٹ میں وہ اس کے دل میں اتری جا رہی تھی۔

"ابھی نہیں۔ تھوڑی دیر رکو۔" دھیمے سے اسے کہتا وہ اپنے کوٹ کی جیب سے کچھ نکالنے لگا تھا۔

"سوری سب کچھ بہت جلدی میں ہوا۔ خفا مت ہونا کیونکہ یہ سب میری خواہش پہ ہوا ہے۔" منگنی کے لیے لائی جانے والی انگوٹھی اس نے علیزے کے ہاتھ میں پہنا دی تھی۔

"تھینک یو۔" وہ آسودگی سے مسکرا دی تھی۔

☼ ☼ ☼
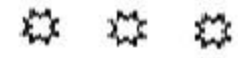
آج فائنل کی کلاسز کا پہلا دن تھا۔ پڑھائی اتنی زیادہ نہیں ہو رہی تھی۔ پہلی دو کلاسز کے بعد جب تیسرا پیریڈ فری ملا تو علیزے بھی کلاس روم سے باہر نکل کر لائبریری کی طرف جا رہی تھی کہ سامنے کوریڈور سے اسے علینہ آتی دکھائی دی تھی۔ کتنے دنوں بعد اسے دیکھا تھا۔ سو علیزے وہیں رک کر اس کے پاس آنے کا انتظار کرنے لگی تھی کیونکہ تیچر مختلف ہونے کے باوجود بھی ان دونوں کی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

"کیسی ہو علینہ۔" اس کے قریب آنے پہ علیزے نے بہت محبت سے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں تم کیسی ہو۔" وہ بمشکل اس کے قریب رکی تھی۔ ایسے جیسے اس کے پاس رکنا نہ چاہتی ہو۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں، تم کہاں ہو اتنے دنوں سے، میں نے کتنی بار تمہارا نمبر ٹرائے کیا مگر ہر بار تمہارا نمبر آف ہی ملا۔" علیزے نے محسوس ہی نہیں کیا کہ وہ کچھ اکھڑی اکھڑی سی ہے۔

"ہاں میں نے نمبر چینج کر لیا ہے۔ تم حمزہ سے لے لیتیں اس سے تو تقریباً روز ہی میری بات ہوتی ہے۔" علینہ نے گلاسز بالوں پہ ٹکاتے ہوئے علیزے کا دھواں دھواں ہوتا چہرہ بہت غور سے دیکھا تھا اس کا تیر نشانے پہ لگا تھا کہنے کو تو اس نے کہہ دیا کہ حمزہ سے اس کی روز ہی بات ہوتی ہے۔ مگر یہ نہیں کہا کہ وہ کبھی اس کی کال اٹینڈ ہی نہیں کرتا، چاہے وہ کتنے ہی نمبر بدل بدل کر اسے فون کرتی مگر وہ ہر بار اس کی آواز سنتے ہی فون کاٹ دیتا تھا۔

"مبارک ہو تمہیں، سنا ہے تمہارا اور حمزہ کا نکاح ہو گیا ہے تم تو بہت خوش ہو گی۔" وہ ابھی تک اپنی بات کا بہت گہرا اثر ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ہاں تھینک یو۔" علیزے نے بدقت خود کو سنبھالا تھا۔

"میں نے تمہیں بھی انوائٹ کرنا تھا مگر تم گھر پہ تو نہیں تھیں اور تمہاری آنٹی کا ایڈریس میرے پاس نہیں تھا۔ تمہارے پیرنس واپس آ گئے۔" علیزے نے اپنا دھیان ہٹانے کو بات ہی بدل دی۔

"نہیں فی الحال ان کا کوئی ارادہ نہیں ہے واپس آنے کا اور ہو سکتا ہے کچھ عرصے تک میں بھی وہیں چلی جاؤں۔" علینہ نے اس کیسے اسے بہت غور سے دیکھا تھا ایسا کیا تھا اس میں جو علینہ وقار میں نہ تھا۔

"سچ کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے اور جب دل کے دروازے کھلتے ہیں تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔" علینہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے ہنس دی تھی۔

"اوکے علیزے میں چلتی ہوں مجھے کچھ کام ہے۔" علینہ اس سے ہاتھ ملانے کے بعد آگے بڑھ گئی تھی۔

"جس طرح ابھی تمہاری خوشی کو خاک میں ملایا ہے اس طرح تمام عمر کے لیے تمہیں خوشیوں کے لیے نہ ترسا دیا تو میرا نام علینہ وقار نہیں۔"

وہ گلاسز آنکھوں پہ ٹکاتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی اور علیزے وہیں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جانے کیوں اسے کبھی کبھار علینہ سے اس کی باتوں سے خوف سا محسوس ہوتا تھا کبھی کبھی اس کا رویہ بہت سخت اور عجیب سا ہو جاتا تھا۔ وہ اپنے اور حمزہ کے حوالے سے ہر بار کوئی نہ کوئی بات ایسی کر جاتی تھی

دو دنوں تک علیزے کو پریشان کیے رکھتی تھی وہ سر جھٹک کر لائبریری کی طرف آ تو گئی تھی مگر اس کا ذہن الجھا الجھا سا تھا اور پھر وہ جلد ہی گھر واپس آ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ابھی ابھی ریسپشن سے سرمد نے اسے بتایا کہ اس سے کوئی ملنے آیا ہے اور اب دروازہ ناک کرنے کے بعد جو شخصیت اندر داخل ہوئی اسے آتے دیکھ کر حمزہ کی پیشانی پہ بل پڑ گئے تھے۔ اس کی اتنی ہمت اور بے باکی دیکھ کہ وہ اب اس کے آفس تک آن پہنچی تھی۔

"آپ یہاں؟" وہ ایک دم سے اپنی چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیوں میں یہاں نہیں آ سکتی کیا۔" وہ شاہانہ انداز میں کہتی اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا یہ میرا آفس ہے۔" حمزہ کو اس کا اس طرح یہاں آنا بہت برا لگا تھا۔

"تو میں اور کیا کرتی نہ آپ کہیں ملتے ہیں نہ فون پہ بات کرتے ہیں تو مجبوراً مجھے یہاں آنا پڑا۔" وہ بے تکلفی سے اس کے بالکل پاس آ کھڑی ہوئی۔ جانے ایسی کیا بات کیا کشش تھی حمزہ احتشام میں کہ وہ اس کے پاس کھنچی چلی آتی تھی اور وہ اس سے اتنا ہی دور بھاگتا تھا۔

"دیکھو علینہ خدا کے لیے میرے پیچھے آنا چھوڑ دو کتنی دفعہ کہوں تم سے۔" وہ غصے سے قدرے بلند آواز میں بولا تھا۔

"جن سے محبت کی جاتی ہے نا حمزہ انہیں چھوڑا نہیں جاتا۔ ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہا جاتا ہے جیسے تم علیزے کے ساتھ ہو ہمیشہ، زندگی بھر کے لیے۔" محبت سے کہتے کہتے علیزے کے نام پر اس کے لہجے میں کاٹ سی اتر آئی تھی۔

"اس کی بات الگ ہے۔ تم اس سے مقابلہ کرنا چھوڑ دو۔ وہ میری بیوی ہے۔ اس کا بہت خاص مقام ہے میری زندگی میں۔ تم اس کی جگہ کبھی نہیں لے سکتیں۔"

"کیوں اس کی بات الگ ہے۔ اس کی جگہ میں بھی ہو سکتی تھی اگر تم چاہتے تو۔ بولو ہو سکتی تھی نا۔" وہ غصے سے اس کی بات کاٹ گئی تھی۔

"دیکھو علینہ تم اس کی جگہ کبھی نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ وہ جگہ کبھی تمہاری تھی ہی نہیں۔ تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو جاؤ یہاں سے اور دوبارہ کبھی یہاں مت آنا۔" حمزہ کو اس لمحے اس کے لہجے سے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا جانے اس کی دیوانگی اسے کہاں تک لے جائے گی کیا رنگ دکھائے گی۔

"ٹھیک ہے میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔ لیکن اگر تم میرے نہیں ہو سکتے نا تو میں تمہیں کبھی اس علیزے کا بھی نہیں ہونے دوں گی یاد رکھنا۔" وہ اسے دھمکاتی جانے کو مڑی تھی اور پھر جاتے جاتے روم کے دروازے پہ جس والہانہ انداز میں اس سے ملتی ہوئی گئی تھی وہ منظر لنچ آور ہونے کی وجہ سے سب کے ساتھ ساتھ بابا کی نظروں کی گرفت میں بھی آ چکا تھا۔ بلیو جینز اور وائٹ سلیولیس ٹاپ کے قابل اعتراض حلیے میں وہ کہیں سے بھی مہذب نہیں لگ رہی تھی۔

"اس امیر زادی کے سر سے ابھی تک تمہارے عشق کا بخار نہیں اترا۔" لنچ کے لیے اس کے پاس آتا شہوز اس کے پاس ہی رک گیا تھا۔

"نہیں یار یہ تو میری جان کو آ گئی ہے پاگل ہو گئی ہے بالکل کچھ سمجھتی ہی نہیں ہے۔ سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔ عجیب عجیب باتیں کرتی ہے۔" وہ اس وقت قدرے پریشان تھا۔

"حمزہ کون تھی یہ؟" بابا اس کے پاس کب آ کر کھڑے ہوئے اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"بابا وہ۔۔۔ یونیورسٹی فیلو تھی۔" وہ گھبرا گیا۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ تم اپنے سب یونیورسٹی فیلوز سے اتنے فرینک ہو۔" بابا کے انداز سے ان کی خفگی کا صاف پتا لگ رہا تھا کیونکہ وہ اس طرح تبھی بات کیا کرتے تھے جب انہیں کوئی بات سخت بری لگتی تھی۔

"ج۔۔۔ جی بابا وہ۔۔۔" وہ سٹپٹایا تھا۔

"دراصل بابا اسے جاب چاہیے تھی اور اسے

معلوم نہیں تھا کہ یہ ہمارا آفس ہے۔" وہ کیسے انھیں سب کچھ بتا دیتا۔ کیونکہ یہ بات شہروز کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے وہ جہاں جاب کے لیے جائے گی سب سے اسی طرح ملے گی یا یہ فرینک نیس خاص تمہارے لیے تھی بہرحال آئندہ وہ مجھے دوبارہ یہاں نظر نہ آئے۔ انڈر اسٹینڈ۔" وہ سخت لہجے میں تنبیہہ کر رہے تھے۔

"جی بابا!" وہ شرمندہ سا قصور نہ ہونے کے باوجود سر جھکائے کھڑا تھا۔

"لنچ کے بعد میرے کیبن میں آؤ ضروری کام ہے۔"

"جی بابا۔" وہ کہہ کر چلے گئے تو اس نے کھل کر سانس لی تھی۔ آج اس علینہ وقار کی وجہ سے اسے کتنا کچھ سننا پڑا تھا۔

"اب کیا کریں؟" شہروز اس تمام عرصے میں خاموش کھڑا تھا۔ انکل کا غصہ دیکھ کر وہ بھی ڈر گیا تھا۔

"کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ ابھی اسی وقت جا کر اس لڑکی کو اتنی کھری کھری سنائے کہ عمر بھر کے لیے یہ محبت کا بھوت اس کے سر سے اتر جائے۔

"انکل کو سب بتا دو۔" شہروز نے مشورہ دیا تھا۔

"لگتا ہے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ کم از کم ان کے سامنے میری پوزیشن تو کلیئر ہو جائے گی نا۔ تم چلو ڈائننگ ہال میں بابا کی بات سن کر وہیں آتا ہوں۔" لنچ تو اب خاک اچھا لگتا وہ شہروز کو بھیج کر بابا کے پاس چلا آیا تھا۔ پر بہت چاہنے پر بھی وہ یہ سب کچھ انہیں بتا نہیں پایا تھا۔

☼ ☼ ☼

حمزہ پندرہ دن کے لیے آفس کے کام سے اسلام آباد جا رہا تھا۔ وہ اور شہروز مل کر کوئی نیا بزنس اسٹارٹ کر رہے تھے اور وہ جانے سے پہلے علیزے کو ڈنر پہ لے جانا چاہتا تھا اور نکاح کے بعد اس نے پہلی بار علیزے سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور یہ کوئی ایسی معیوب بات بھی نہیں تھی اس لیے بابا نے اجازت "فوراً" ہی دے دی تھی اور ساتھ میں اسے تاکید کی تھی کہ وہ علیزے کے والدین سے ضرور اجازت لے لے اور حمزہ نے باخوشی ان کی یہ بات مانتے ہوئے کل رات ماما سے فون پر بات کر لی تھی۔ علیزے سے نکاح کے بعد وہ آصفہ کو ماما ہی کہنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ڈنر پہ جانے کا سن کر کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کرتی علیزے کے ماتھے پہ یکدم پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔ ہاتھوں میں لرزش سی اتر آئی اور آج جب وہ کنفیوژ اور قدرے کونشس سی ڈنر پہ جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی تو بار بار ماما سے پوچھ رہی تھی کہ میں ٹھیک تو لگ رہی ہوں نا اور ماما نے اس کی پیشانی چوم کر اسے یقین دلایا تھا کہ وہ بہت پیاری لگ رہی ہے۔

اب اسی کیفیوژن میں وہ حمزہ کے سامنے ہوٹل میں بیٹھی تھی اور حمزہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کس قدر اچھی اچھی سی لگ رہی تھی وہ اس وقت ریڈ شیفون کے اسٹائلش سے ڈریس میں اپنی تمام جاذبیت سمیت حمزہ کے دل میں اتری جا رہی تھی۔ شاید بدلتے رشتے کا اثر تھا کہ علیزے کو آج حمزہ کی نگاہیں بدلی بدلی سی محسوس ہو رہی تھیں مکمل استحقاق لیے۔

"کیسا لگ رہا ہے۔ اس طرح میرے ساتھ یہاں آنا۔" حمزہ نے بہت غور سے اس کے کان میں جھولتی بالی کو دیکھا تھا۔

"اچھا لگ رہا ہے۔" وہ اب بھی نگاہیں جھکائے ہوئے تھی۔

"صرف اچھا۔" وہ شاید کچھ اور بھی سننا چاہ رہا تھا۔

"نہیں بہت اچھا لگ رہا ہے۔ کم از کم مجھے اب محسوس نہیں ہو رہا ہے کہ کوئی اگر یہاں مجھے آپ کے ساتھ دیکھ لے گا تو کیا کہے گا۔"

"اونہوں رہنے دو۔ اچھے لگ رہے ہیں۔" بولتے بولتے چہرے کے دونوں اطراف بکھری لٹوں کو

ہاتھ سے ہٹانے لگی تو یکدم ہی حمزہ نے ٹوک دیا تھا۔ وہ جھینپ کر مسکرا دی تھی جب سے یہاں آئے تھے تب سے حمزہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کی بکھری لٹوں کو ہاتھ سے سنوار دے جو بے تکلفی سے اس کے چہرے کو اپنے حلقے میں لیے ہوئے تھیں۔

"میں یہ نہیں کہتا علیزے کہ تم کوئی بہت خوب صورت، بہت حسین ہو، پر تم میں ایک عجیب سی جاذبیت، عجیب سی کشش ہے جو مقابل کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے سحر زدہ کر دیتی ہے۔" کھانے کے دوران ہی حمزہ نے اس کی کسی بات کے جواب میں کہا تھا تو علیزے نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ سامنے بیٹھا یہ پرخلوص شاندار سا مرد صرف اس کا ہے وہ آسودگی سے مسکرا دی تھی۔

"یہاں کی کافی بہت زبردست ہوتی ہے پیو گی نا۔" کھانے کے بعد کافی آرڈر کرتے ہوئے حمزہ نے اسے بتایا تھا۔

"ہیلو حمزہ۔" ابھی انہوں نے کافی کا بمشکل ایک سپ ہی لیا ہوگا کہ انہیں اپنے عقب سے آواز سنائی دی تھی۔ آنے والی شخصیت کو دیکھ کر حمزہ کا سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ یکدم ہی اس نے علیزے کی طرف دیکھا تھا۔ مگر حمزہ کو اس کے چہرے پہ کوئی خفگی بھرے تاثرات نظر نہیں آئے تھے وہ علینہ کو دیکھ کر خوش دلی سے مسکرا رہی تھی۔ اگر کبھی اسے پتا چل جائے کہ یہ لڑکی کس طرح اس کی زندگی میں زہر گھولنے کی کوشش کر رہی ہے تو کیا تب بھی اس کے تاثرات یہ ہی رہیں گے وہ سوچتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا کہ علینہ کی پکار پہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جو اپنے ساتھ کھڑے شخص کا اس سے تعارف کروا رہی تھی۔

"حمزہ یہ جاذب اظہر میرے کزن اور جاذب یہ حمزہ القاسم ہیں۔" وہ علیزے کو یکسر نظر انداز کر کے صرف حمزہ کا تعارف کروا رہی تھی۔

"اور یہ علیزے ہیں میری وائف ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔" جاذب کی نظریں مسلسل علیزے پر جمی دیکھ کر حمزہ نے اسے بتانا ضروری سمجھا تھا۔ حمزہ کی بات سن کر علینہ کے چہرے پہ کتنے ہی رنگ ٹھہر کر بدلے تھے۔ علیزے نے اس لمحے بہت غور سے علینہ کو دیکھا تھا۔ صرف اس لیے کہ آیا جو وہ سمجھ رہی ہے وہ ٹھیک ہے یا صرف اس کا وہم ہے مگر علینہ کے چہرے پہ صاف صاف لکھا تھا کہ یہ اس کا وہم نہیں ہے۔ وہ ٹھیک سمجھ رہی ہے وہ سر جھٹک کر علینہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو جاذب سے کہہ رہی تھی۔

"جاذب تم جاؤ۔ میں یہیں اپنے فرینڈز کو جوائن کروں گی اور بعد میں حمزہ مجھے ڈراپ کر دیں گے۔ کیوں حمزہ ٹھیک ہے نا۔"

اسے بیٹھتا دیکھ کر حمزہ کو "مروتاً" سر ہلانا پڑا تھا۔ اسے اچانک ہی یاد آیا تھا کہ یہ ریسٹورنٹ علینہ کا فیورٹ ہے اور اکثر یہاں کافی پینے آتی ہے اور کچھ عرصہ پہلے وہ حمزہ کو بھی زبردستی یہیں لے کر آئی تھی وہ کتنی ہی دیر اس لمحے کو کوستا رہا جب وہ علیزے کو لے کر یہاں آیا تھا۔ جاذب اسے چھوڑ کر جا چکا تھا ان لوگوں کے ساتھ کافی پیتے ہوئے چند لمحے علیزے کے ساتھ بات کرنے کے بعد وہ اسے نظر انداز کیے مسلسل حمزہ کی طرف ہی متوجہ تھی اور علیزے کو یہ بات بہت بری لگ رہی تھی اور حمزہ صرف علیزے کو ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اسے برا لگ رہا ہے اسے بھی برا لگا تھا اس کا یوں بن بلایا مہمان بن جانا۔

"میرا خیال ہے اب گھر چلنا چاہیے۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔" علیزے یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کا موڈ بری طرح آف ہو چکا تھا۔ حمزہ بھی "فوراً" ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ بھی جلد از جلد اس مصیبت سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ حمزہ نے اس سے ایڈریس پوچھنے کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کی تھی اسے اس کی آنٹی کے گھر ڈراپ کر کے وہ تیزی سے وہاں سے گاڑی نکال لایا تھا۔

"مجھ سے کیوں ناراض ہو رہی ہو میں نے کیا کیا۔"

اس نے ایک نظر اس کے خفا خفا سے چہرے پر ڈالی تھی۔

"میں آپ سے خفا نہیں ہو رہی، مجھے بہت برا لگا

علینہ کا یوں ہمیں جوائن کرنا، اس میں اتنی تمیز نہیں ہے کہ جب دو لوگ بیٹھے ہوں تو اس طرح سے آکر بیچ میں نہیں بیٹھتے جب تک وہ خود دعوت نہ دیں۔" وہ خفا خفا سی بولتی ہوئی اس سے بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"اسپیشلی کپل۔" حمزہ نے شرارت سے اسے دیکھا۔ اس نے اک نگاہ حمزہ کو دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔

"تمہارے لیے۔" سگنل پہ گاڑی رکی تو حمزہ نے ریڈ روز کا بکے لے کر اس کی طرف بڑھایا تھا وہ چاہتا تھا کہ علینہ کے بارے میں علیزے کو بتا دے پر اس کے ری ایکشن کا سوچ کر وہ خاموش ہو گیا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ آج کی اتنی خوب صورت شام کا اختتام ذرا بھی برا ہو۔

"تھینک یو۔" وہ خفا خفا سی تھامتے ہوئے بولی تھی۔

"اب اتنے پھولے منہ کے ساتھ تو تھینک یو مت کہو۔ یار اب اس میں میرا کیا قصور ہے برا تو مجھے بھی لگا۔ اسے ہمارے ایٹی ٹیوڈ سے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ ہم اسے شریک نہیں کرنا چاہ رہے پر واقعی کچھ لوگوں میں سینس کی کمی ہوتی ہے یا وہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں۔ فارگیٹ اٹ۔

اچھا یہ بتاؤ تمہیں جیلسی ہو رہی ہے نا۔" وہ شرارت سے اس کی سمت ذرا سا جھکا تھا۔

"ہاں تو کوئی لڑکی اتنے دھڑلے سے میرے شوہر کے ساتھ آ کے بیٹھ جائے تو کیا مجھے جیلسی نہیں ہو گی۔" وہ کہتے کہتے خود ہی جھینپ کر منہ پھیر گئی تھی۔ کیونکہ جواب میں حمزہ نے شوخ نظروں سے اسے دیکھا تھا زندگی میں پہلی بار آج وہ بلا سوچے سمجھے بولی تھی۔ حمزہ نے اس کی شخصیت کا یہ روپ پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

"اچھا اب اس میں اتنا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں غلط کیا ہے بلکہ مجھے اچھا لگا تمہارا یوں اپنے لیے حق سے بات کرنا۔" حمزہ نے اس کی گھبراہٹ کو انجوائے کرنے کے ساتھ ساتھ اسے بتایا تھا۔ ہوا سے کتنی ہی لٹیں اڑ اڑ کر اس کی چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور حمزہ کے دل میں اس وقت یہ خواہش شدت سے سر اٹھا رہی تھی کہ وہ ان آوارہ لٹوں کو سنوار دے۔

"علیزے۔" گھر کے سامنے گاڑی رکتے ہی وہ اترنے لگی تو حمزہ کی پکار نے اسے روک لیا تھا وہ رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا تمہاری جگہ کبھی بھی کوئی بھی نہیں لے سکتا۔ میرے دل میں تمہارا مقام بہت خاص، بہت اونچا ہے اور اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔" ایک لٹ جو کب سے اسے پریشان کر رہی تھی۔ وہ بار بار اسے جھٹک رہی تھی۔ حمزہ نے اس لمحے دل کی خواہش پہ لبیک کہا تھا اور اسے پل بھر کو اپنے ہاتھ سے سنوارا تھا وہ گھبرا کر سمٹی تھی۔

"تھینک یو حمزہ۔ آپ بہت اچھے ہیں بہت خاص، میں دعا کرتی ہوں کہ آپ ہمیشہ میرے ساتھ اسی طرح رہیں۔ اتنے ہی اچھے، اتنے ہی خاص۔" کتنے ہی ستارے ایک ساتھ اس لمحے علیزے کی آنکھوں میں جگمگائے تھے۔

"ان شاء اللہ اب جاؤ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔" بے قابو ہوتے دل کو اس نے بمشکل ہی سمجھایا تھا۔

"اللہ حافظ۔" کتنے ہی اقرار کے خوب صورت جگنو اپنے دامن میں سمیٹے وہ گاڑی سے اتر گئی تھی اور پھر جب تک وہ گیٹ سے اندر نہیں چلی گئی وہ اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر میوزک آن کرتے ہوئے اس نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

فون کی مسلسل بجتی ہوئی بیل نے اس کی گہری نیند میں خلل ڈالا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی پوری کوشش کی تھی۔ مگر نیند کا غلبہ اس قدر طاقت ور تھا کہ وہ پل میں پھر سے غافل ہو گیا تھا مگر ایک تواتر سے بجتے فون نے بالآخر اس کی نیند کو توڑ ہی ڈالا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا موبائل اٹھایا اور بنا نمبر دیکھے ہی آن کر کے کان سے لگا لیا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے آتی آواز سن کر پل میں اس کی ساری حسیات بیدار ہوئی تھیں۔

"تم نے اس وقت کیوں فون کیا ہے؟" حمزہ نے رسٹ واچ اٹھا کر ٹائم دیکھا تو رات کے دو بج کر پینتیس منٹ ہو رہے تھے۔

"بس آپ کی یاد آ رہی تھی۔ سوچا آپ کی آواز سن لوں اور شکر ہے بہت مشکلوں سے آپ کی آواز سننے کو ملی ہے۔" ایک ادائے دلربائی سے کہا گیا تھا جیسے دوسری طرف وہ رات کے اس پہر اسی کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔

"تمہیں بالکل شرم نہیں آتی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے اور اتنی رات گئے ایک غیر مرد کو فون کرتے ہوئے۔" نیند کی جگہ اب بے زاری اور غصے نے لے لی تھی۔ کس مٹی کی بنی تھی وہ کچھ سمجھتی ہی نہیں تھی۔

"آپ غیر کہاں ہیں۔ آپ تو میرے دل کے بہت قریب ہیں۔ بہت خاص۔"

"دیکھو میں تمہارا بہت لحاظ کر رہا ہوں۔ بہت برداشت کر رہا ہوں صرف اس لیے کہ تم ایک لڑکی ہو اور میرا غصے میں اٹھایا گیا کوئی بھی قدم تمہارے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے تو بہتر یہی ہے کہ تم اپنے بڑھتے قدموں کو روک لو۔" اس کی بات سن کر حمزہ کو آگ ہی لگ گئی تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ اگر وہ سامنے ہوتی تو کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے منہ پہ رسید کرتا۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

"ضبط کی آخری حد سے تو میں گزر رہی ہوں۔ تمہیں اتنی آسانی سے کسی اور کا ہوتا دیکھ کر۔" وہ چبا کر غصے سے بولی تھی۔

"آں ہاں، فون بند مت کرنا ورنہ ساری رات تمہیں فون کرتی رہوں گی میری دیوانگی سے ابھی تم پوری طرح واقف نہیں ہو۔" حمزہ فون آف کرنے ہی لگا تھا کہ اس نے فوراً ہی روکا تھا۔ جانتی تھی آج بھی وہ ہمیشہ کی طرح فون بند کر دے گا آج کتنے ہی دنوں بعد تو حمزہ نے اس کی کال ریسیو کی تھی۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو؟" وہ جیسے تھک کر بولا تھا۔ اپنے مخصوص انداز میں پیشانی سہلاتے ہوئے وہ اس وقت ازحد پریشان تھا۔

"میں کیا چاہتی ہوں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو حمزہ۔ میں صرف تمہیں چاہتی ہوں اور میں چاہتی ہوں کہ تم بھی مجھی کو چاہو۔" ایک عجیب سے حسرت تھی اس کی لہجے میں۔

"ایسا ناممکن ہے۔ تم زبردستی مجھے خود سے محبت کرنے پہ مجبور نہیں کر سکتیں۔" آج بھی اس کا لہجہ پہلے دن کی طرح اٹل تھا۔

"بہت چاہتے ہو نا تم علیزے کو۔ سوچو اگر وہ کبھی تمہاری زندگی میں نہ رہے تو تم کیا کرو گے؟"

"اپنی بکواس بند کرو۔ ان شاء اللہ ایسا کبھی نہیں ہو گا تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو گی چاہے تم جتنی کوشش کر لو۔" ایک پل کو تو اس کی بات سن کر حمزہ کے پورے وجود میں سرسراہٹ سی دوڑ گئی تھی مگر دوسرے ہی پل حمزہ نے اسے جھڑک دیا تھا۔

"اسی طرح بالکل اسی طرح میں بھی تڑپتی ہوں تمہارے لیے۔ تمہیں پانے کے خواب دیکھتی ہوں دیکھنا ایک دن آئے گا کہ تم بھی اس کے لیے اسی طرح تڑپو گے تب تمہیں میری تڑپ کا احساس ہو گا اور وہ دن میرا ہو گا علینہ وقار کا۔ تمہیں میرے پاس آنا ہی ہو گا۔"

"تم پاگل ہو اور مجھے بھی کر دو گی۔"

عجیب انداز تھا اس کا چیلنج کرتا ہوا۔ حمزہ نے فون آف کر دیا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ سر تھامے بیٹھا رہا تھا اور پھر وہ ساری رات اس نے کروٹیں بدلتے ہوئے گزار دی تھی تبھی اس کی سرخ آنکھیں اور تھکا چہرہ دیکھ کر صبح آفس میں شہوز نے اس سے پوچھا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے حمزہ کیا رات سوئے نہیں ہو ٹھیک سے۔"

"نہیں یار، میں بہت پریشان ہوں۔" اور پھر اس نے شہوز کو پوری بات بتا دی تھی۔

"میرا خیال ہے حمزہ تم انکل کو بتا دو۔ تاکہ اگر کل کو کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو کم از کم وہ سنبھال تو سکیں گے ورنہ سارا الزام تم پر آئے گا۔" شہوز نے پوری بات سننے کے بعد کہا تھا۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں بھی کل رات سے یہی سوچ رہا ہوں۔ مگر خدا گواہ ہے شہوز میں نے کبھی بھی علینہ کے بارے میں ایسا کچھ نہیں سوچا ہے۔ میں پہلے دن سے ہی علیزے سے......" وہ پریشانی کے مارے بات ہی ادھوری چھوڑ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں حمزہ تم پریشان مت ہو پاگل ہے وہ لڑکی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا تم انکل کو پوری بات بتا دو۔ اس طرح تم بھی ریلیکس ہو جاؤ گے۔"

شہوز نے بڑھ کر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔ تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔ مگر چاہنے کے باوجود وہ اگلے کئی روز تک پاپا سے کچھ نہیں کہہ پایا تھا کہ جانے وہ کیا خیال کریں مگر خاموشی اس مسئلے کا حل نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو ماما، ہائے سوئٹی۔"

جاذب نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بیک وقت دونوں کو مخاطب کیا تھا۔ علینہ تو مسکرا کر اسے وش کرنے کے بعد دوبارہ سے اپنی پلیٹ پہ جھک گئی تھی۔ جبکہ ماما پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"تم کل رات کہاں تھے جاذب"

"دوستوں کے ساتھ تھا ماما۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر اپنی پلیٹ میں سلاد ڈالنے لگا تھا۔

"یہ کیسے دوست ہیں تمہارے جو ساری رات تمہیں گھر آنے نہیں دیتے۔" وہ غصے سے بولیں۔

"او کم آن ماما بس دوستوں کے ساتھ تھا تو وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا پھر بھی میں صرف آپ کا خیال کر کے چار بجے گھر آ گیا تھا۔" وہ ابھی بھی لاپروائی سے یونہی کھانا کھانے میں مگن تھا۔

"او مائی گاڈ چار بجے! کیا ضرورت تھی مجھ پہ اتنا بڑا

احسان کرنے کی اور میری بات غور سے سنو جاذب کل صبح تمہارے پاپا بزنس ٹور سے واپس آ رہے ہیں اور تم جانتے ہو اچھی طرح سے کہ وہ تمہاری ان حرکتوں سے کتنا چڑتے ہیں۔ سو ابھی تمہیں کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو اور صبح ٹائم سے آفس پہنچ جانا۔ تم جانتے ہو وہ ہمیشہ ایئرپورٹ سے سیدھے آفس جاتے ہیں اور پھر گھر آتے ہیں۔ انڈراسٹینڈ۔" وہ اس کی بے توجہی نوٹ کر گئی تھیں۔

"اوکے ماما اب کھانا کھا لوں۔" زہر لگتی تھیں اسے یہ روک ٹوک کرتیں 'لیکچر والی باتیں' وہ ہمیشہ ہی ایسی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی یہی کیا تھا۔

"دھیان رکھا کرو بیٹا اچھا لگتا ہے تمہیں جب تمہارے پاپا سب کے سامنے تمہیں غیرذمہ داری پہ ڈانٹتے ہیں کم از کم مجھے تو بہت برا لگتا ہے۔" وہ ہمیشہ ہی اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنے میں احتیاط سے کام لیتی تھیں کہ اگر بڑے بیٹے کی طرح یہ بھی انہیں چھوڑ کر چلا گیا تو وہ بالکل اکیلے رہ جائیں گے۔

"اوکے ماما، آئندہ خیال رکھوں گا" وہ خلاف توقع جلد ہی مان گیا تھا اور پھر کھانے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مگر اسے پانچ بجے سے پہلے نیند کہاں آتی تھی اور پھر ابھی تو صرف ساڑھے گیارہ ہی بجے تھے۔ اس نے ٹی وی آن کیا پھر بور ہو کر بند کر دیا اور پھر باہر نکل آیا۔ اس کا ارادہ علینہ کے کمرے میں جا کے اس سے گپ شپ لگانے کا تھا۔ مگر وہ لاؤنج میں ہی مل گئی۔ وہ فون پہ بزی تھی اسے اپنی طرف آتا دیکھا تو گفتگو مختصر کر کے فون بند کیا اور اس کے پاس آ گئی تھی۔

"کس سے بات ہو رہی تھی۔" جاذب نے وہیں صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی آن کر کے میوزک چینل لگا دیا تھا۔

"ماما سے۔" وہ مختصر سے جواب کے بعد سامنے ہی آ بیٹھی تھی۔

"اچھا کب آ رہی ہیں وہ۔" جاذب نے یونہی پوچھا تھا۔

"فی الحال تو ان کا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ جاذب تم سے ایک بات پوچھوں۔"

وہ ابھی بھی اپنے موبائل میں الجھی تھی اور بات اس سے کر رہی تھی۔

"پوچھو۔" جاذب نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

رات کے اس پہر جب گھر پہ بھی اتنی حسین کمپنی مل جائے تو بھلا باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔

"تم نے ایک بار کہا تھا کہ تم میرے لیے کچھ بھی کر سکتے ہو۔ یاد ہے۔" موبائل سائیڈ پہ رکھ کر اب وہ مکمل طور پہ اس کی طرف متوجہ تھی۔

"یہ کوئی بھولنے والی بات ہے۔ یہ تو میں اب بھی کہتا ہوں۔"

اس وقت جاذب کا انداز نثار ہونے والا تھا کیونکہ بلاشبہ علینہ بہت خوب صورت تھی۔

"تو اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم ثابت کرو کہ تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو۔"

وہ خوب اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے کب اور کہاں کیا کرنا ہے۔ کیونکہ اب یہ معاملہ محبت اور چاہت سے بڑھ کر ضد اور انا کا بن چکا تھا۔

"تم ایک بار کہو تو سہی پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ کہو تو اپنی جان دے دوں تمہاری ان حسین آنکھوں میں ڈوب جاؤں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے اب فضول مت بولو اور میری بات دھیان سے سنو۔"

وہ فوراً ہی اسے ٹوک گئی تھی۔

"ہاں کہو۔" اب کے جاذب کو بھی احساس ہوا کہ معاملہ واقعی سنجیدہ ہے۔

"تمہیں وہ لڑکی یاد ہے۔ جو اس دن ہمیں وہاں ہوٹل میں ملی تھی۔"

"کون سی لڑکی؟" باوجود کوشش کے بھی جاذب کو یاد نہیں آیا تھا کہ علینہ کس لڑکی کی بات کررہی ہے۔

"وہی لڑکی جو تمہیں وہاں ریسٹورنٹ میں حمزہ کے ساتھ ملی تھی اور میں نے انہیں وہاں جوائن کرلیا تھا اور تمہیں کہا تھا کہ واپسی پہ یہ لوگ مجھے ڈراپ کردیں گے۔"

علینہ کے یاد دلانے پہ جاذب کی آنکھوں میں پہچان کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"ہاں ہاں، اچھا وہ لڑکی جس کے لیے حمزہ نے کہا تھا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ کیوں کیا ہوا اسے؟" لمحے بھر کو جاذب کی نگاہوں میں علیزے کا بھرپور سراپا لہرایا تھا۔

"کچھ ہوا تو نہیں پر کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے۔"

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔" واقعی نہیں سمجھا تھا کہ علینہ کیا چاہتی ہے اور جواب میں علینہ نے اسے پوری بات بتادی تھی اپنے اور حمزہ کے متعلق، حمزہ اور علیزے کے متعلق اور اس دوران اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو جاذب بہت غور سے دیکھتا رہا تھا۔

"تو اب تم کیا چاہتی ہو۔" پوری بات سننے کے بعد جاذب نے اس سے پوچھا تھا۔

"اور اس سے کیا ہوگا۔" علینہ کا پلان سننے کے بعد جاذب نے اس سے پوچھنا ضروری سمجھا تھا۔

"اور کچھ نہیں سہی مگر مجھے سکون ضرور مل جائے گا۔ میری انا کی تسکین تو ہوجائے گی۔ جتنی بے عزتی میں نے سہی ہے اس کا کچھ تو ازالہ ہوگا۔ تم کرسکتے ہو میرا یہ کام یا نہیں۔"

اس نے جاذب کے ہاتھ سے جلتا سگریٹ لے کر ایش ٹرے میں مسل دیا تھا۔

"کر سکتا ہوں کوئی اتنا مشکل نہیں ہے۔ میرے دوستوں کے لیے تو یہ روز کا معمول ہے پر تم سوچ لو اگر کوئی پرابلم ہوگئی تو۔"

بالآخر جاذب نے اس حسن کی دیوی کے سامنے گھٹنے ٹیک ہی دیئے تھے۔

"بعد کی مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ جو بھی ہو۔ آئی ڈونٹ کیئر۔"

وہ لاپرواہی سے بولی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد اسے نہ حمزہ سے کوئی سروکار تھا اور نہ علیزے سے۔

"او کے ڈن میں سب سنبھال لوں گا موقع دیکھ کر تمہارا کام ہوجائے گا اور بدلے میں مجھے کیا ملے گا اتنا تو بتادو۔" وہ اس کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"جو تم کہو۔" وہ بے تکلفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"علینہ وقار۔" جاذب نے اسے کاندھوں سے تھام لیا تھا۔

"او کے ڈن مگر کام ہونے کے بعد جو تم کہو گے ملے گا۔ اب باقی کی پلاننگ تم کرو میں جارہی ہوں سونے جب کام ہوجائے تو بتادینا پھر میں بتاؤں گی کہ اب آگے کیا کرنا ہے۔ گڈنائٹ۔"

وہ دھیرے سے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے مست سی چال چلتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور جاذب کتنی ہی دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا تھا۔

"چلو کرتے ہیں کچھ۔" وہ کندھے اچکا کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

مگر یہ سوچ کر کہ اسے یہ کام ہر حال میں کرنا ہے۔

☼ ☼ (باقی آئندہ)

مکمل ناول

شفق افتخار

دوسری اور آخری قسط

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا ہی رہتا ہے۔ علیزے آج کل بری طرح اپنے فائنل ایگزام میں مصروف تھی اور ہمیشہ ہی سے اسے پڑھائی کے وقت اپنے اردگرد کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ بس کتابیں، یونیورسٹی اور اپنے کمرے تک ہی اس کی دنیا محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اوپر سے حمزہ کے پاپا نے جلدی مچا رکھی تھی کہ بس بہت ہو گیا اب وہ اپنی بہو کو جلد از جلد اپنے گھر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے سب ہی کو بولکھلا دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ علیزے کے ایگزام ختم ہونے کے اگلے ہفتے ہی شادی کے دن رکھ دیے جائیں۔ اب وہ مزید انتظار نہیں کر سکتے اور ویسے بھی ان کے نکاح کو تقریباً" سال بھر سے بھی اوپر ہو چکا تھا مگر علیزے نے چپکے سے ماما سے کہہ دیا تھا کہ ایگزام کے کم از کم ایک دو مہینے تک وہ ایسا نہیں چاہتی۔

"ماما" پلیز، کچھ دن مجھے پڑھائی کی تھکن تو اتارنے دیں۔"

وہ روہانسی ہوئی تو ماما بھی مان گئی تھیں۔ وہ خود بھی اتنی جلدی نہیں چاہ رہی تھیں۔ اس کی جدائی کے خیال سے ابھی سے ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں ہمیشہ ہی سے علیزے اپنی پڑھائی میں اس قدر مصروف رہی تھی کہ وہ ڈھنگ سے کبھی بھی کسی بات میں دلچسپی ہی نہیں لے پائی تھی اور اب جبکہ وہ پڑھائی سے فارغ ہوئی تو تھوڑا وقت اطمینان سے گھر والوں کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی اور ماما بھی ایسا ہی چاہتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ ابھی دو مہینے تک ایسا نہیں چاہتی ہیں اور پھر تیاری میں بھی تو کچھ وقت لگنا ہی تھا نہ جواب میں حمزہ کا ملنے والا میسج......

"پلیز مان جاؤ نا۔" پڑھ کر وہ دیر تک مسکراتی رہی تھی۔

"بس صرف دو مہینے پلیز۔" علیزے کے جواب سے وہ آسانی سے مان بھی گیا تھا۔

کیونکہ جانتا تھا کہ بہرحال آنا تو اسے میرے پاس ہی ہے۔

پھر جس دن اس کا لاسٹ پریکٹیکل تھا اس رات کو ہی ماما نے اسے کہہ دیا تھا کہ کل وہ ان کے ساتھ بازار جائے گی اور اپنی پسند سے شاپنگ کرے گی۔ ورنہ وہ خود ہی اپنی مرضی سے سب کچھ خرید لیں گی۔ پھر تم شکایت مت کرنا کہ مجھے یہ پسند نہیں آرہا اور یہ اچھا نہیں ہے۔

"لو کے ماما چلیں گے۔" کہنے کے بعد وہ کمبل منہ تک تان کر سو گئی تھی اور اگلا ایک ہفتہ اچھی طرح تھکن اتارنے کے بعد وہ آج صبح ماما کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی تھی۔ آج موسم بھی بہت اچھا تھا۔ صبح سے ہی بادلوں کا آنا جانا لگا تھا۔ دھوپ کبھی تیز ہو جاتی تھی اور کبھی بالکل مدھم پڑ جاتی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ معاذ بھی آج آفس کے کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اسے شام تک آنا تھا اور بابا بھی آج

لنچ کے لیے نہیں آنے والے تھے انہیں کوئی ضروری کام تھا۔ اس لیے وہ دونوں اطمینان سے شاپنگ کرنے نکلی تھیں۔ اگلے ہفتے ماما کے رشتے داروں میں کوئی شادی تھی۔ ماما کو ان کے لیے گفٹ لینا تھا۔ ماما کوئی سوٹ وغیرہ لینا چاہ رہی تھیں گفٹ میں دینے کے لیے اس لیے وہ کپڑوں کی شاپ پہ آگئی تھیں۔ واپسی پہ انہیں جیولر کے پاس جانا تھا۔ وہیں ایک دو دکانیں چھوڑ کر ٹیلر کی شاپ تھی۔ علیزے نے سوچا کہ ٹیلر سے اپنے کپڑے لے لے۔

"ماما آپ جب تک سوٹ پسند کریں میں ذرا ٹیلر سے اپنے کپڑوں کا پتا کر آؤں۔" ماما کو کوئی سوٹ پسند ہی نہیں آرہا تھا۔ اس نے سوچا کہ جب تک ماما اپنا کام کریں گی وہ اپنا کام کر آئے گی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ دھیان سے جانا۔"

ماما اسے تاکید کر کے پھر سے دکاندار کی طرف متوجہ ہو گئیں تو وہ دکان سے باہر نکل آئی تھی۔ ٹیلر کا وہی ہمیشہ والا جواب تھا۔

"باجی بس آپ کے کپڑوں میں تھوڑا سا کام رہتا ہے۔ اگر آپ آدھا گھنٹہ انتظار کریں تو میں سارے دے دیتا ہوں آپ کو۔ بس آدھا گھنٹہ۔" وہ خوشامدانہ انداز میں بولا تھا۔

"ٹھیک ہے آپ سارے کپڑے تیار کر کے رکھیں میں آدھے گھنٹے بعد آکے لیتی ہوں۔" وہ جانتی تھی کہ آدھا گھنٹہ تو ماما کو لگ ہی جائے گا اور واپسی پہ وہ کپڑے لیتی جائے گی۔

علیزے باہر نکل آئی تھی۔ اس نے آسمان پہ ایک نگاہ ڈالی بادل پھر سے ڈھیرے ڈھیرے جمع ہو رہے تھے۔

"لگتا ہے آج بارش ضرور ہوگی۔"

یہی سوچتے ہوئے ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ ایک گاڑی بالکل اس کے قریب آکے رکی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل پاتی گاڑی کا دروازہ کھلا اور کسی نے تیزی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے گاڑی کے اندر دھکیل دیا تھا۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اس کے منہ پر رکھے رومال سے عجیب سی مہک آرہی تھی۔

"کام ہو گیا ہے سر۔" ہوش سے بے گانہ ہونے سے پہلے اس نے جو آخری بات سنی وہ یہی تھی۔

☼ ☼ ☼

لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو اس جگہ جمع ہو چکا تھا۔ جہاں سے ابھی دن دہاڑے ایک لڑکی کا اغوا ہوا تھا مگر کوئی کچھ کر نہیں رہا تھا۔ سب بس اپنی اپنی ہانک رہے تھے۔

"یا اللہ خیر کرنا پتا نہیں کیا ہوا ہے۔" آصفہ بھی دوکان سے باہر نکل آئیں۔

"جانے علیزے کہاں رہ گئی۔" ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ کیا ہو چکا ہے۔ وہ سمجھیں شاید کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ ہوا ہے اور علیزے تو ٹیلر کے پاس گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے بھائی۔" انہوں نے پاس سے گزرتے ایک آدمی سے پوچھا تھا۔ وہ اس ہجوم سے گزرنے کا راستہ دیکھ رہی تھیں تاکہ وہ ٹیلر کی دکان تک علیزے کے پاس پہنچ سکیں۔ وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔

"اللہ معاف کرے بہن کیسے دن آگئے ہیں۔ جانے کون لوگ تھے ایک بچی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔" وہ باریش سا آدمی بتا کر آگے بڑھ گیا اور جانے کیوں آصفہ کے دل کی دھڑکن یکدم ہی تیز ہو گئی تھی۔

"بچی! یا اللہ رحم کرنا۔" بے ساختہ ہی ان کے لبوں سے نکلا تھا اور بے تحاشا تیزی سے ہجوم کے اندر گھستی چلی گئیں۔

"جانے کون تھی بے چاری لڑکی' بڑا ظلم ہوا۔"

جس آدمی نے یہ کہا تھا آصفہ کی نگاہیں اس آدمی کے ہاتھ میں موجود براؤن لیدر کے شولڈر بیگ پہ تھیں۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

"یہ... یہ کس کا ہے۔" ان کی آواز واضح کانپ رہی تھی۔

"فرش پہ پڑا تھا جی' شاید اس لڑکی کا ہے جسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔" آصفہ نے تیزی سے اس کے

ہاتھ سے وہ بیگ جھپٹ لیا تھا۔

"کون تھی وہ آپ جانتی ہیں۔"

آصفہ نے سنا ضرور تھا پر یہ نہیں دیکھا کہ یہ کس نے کہا تھا وہ تو بس اس بیگ کو دیکھ رہی تھیں اور ان کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اتھاہ گہرائی میں۔ آنکھوں کے آگے دھند کی چادر تن گئی تھی۔

"ہاں جانتی ہوں میں کون تھی وہ۔ کوئی اور نہیں میری بیٹی تھی وہ۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائیں۔

اور پھر مجمع سے مختلف آوازیں آنے لگیں۔ مگر کوئی کچھ کر نہیں رہا تھا۔ سب ایک ماں کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ جو ویران آنکھوں سے اس بیگ کو دیکھ رہی تھی جو نہیں جانتی تھی کہ اس کی معصوم بچی کس جرم کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ عجیب بے حس ہو چکے ہیں ہم لوگ۔ جب خود پہ گزرے تو بہت تکلیف ہوتی ہے اور کسی دوسرے کی بے بسی کا تماشا ہم بہت آسانی سے دیکھ لیتے ہیں اور پھر آصفہ نہیں جانتی تھیں کہ کس طرح انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے علیزے کے بیگ سے اس کا سیل فون نکال کر شہاب زیدی کو اطلاع دی تھی انہیں صرف یاد تھا تو اتنا کہ شہاب زیدی نے آ کر ان کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ ان کی بانہوں میں ڈھے گئیں۔

☼ ☼ ☼

شہاب زیدی کس طرح آصفہ کو لے کر گھر پہنچے تھے یہ صرف ان کا دل جانتا تھا۔ کانپتے اور بے تحاشا دھڑکتے دل کے ساتھ وہ صرف یہ سوچ رہے تھے کہ یہ ان کے ساتھ کیا ہو گیا تھا اور کیوں ہوا ہے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ انہوں نے خود ہی تو آفس پہنچنے کے بعد گاڑی اور ڈرائیور کو بھیجا تھا کہ ڈرائیور انہیں بازار چھوڑ آئے۔ ڈرائیور ان دونوں کو بازار چھوڑنے کے بعد واپس ان کے پاس آفس آ گیا تھا کیونکہ انہیں ایک ضروری میٹنگ میں جانا تھا۔ واپسی پہ انہیں خود ہی گھر جانا تھا۔

گاڑی سے ہی شہاب زیدی نے معاذ کو کال کی تھی اور اسے جلد از جلد ایمرجنسی میں گھر پہنچنے کو کہا تھا وہ آفس کے فیلڈ ورک کے لیے شہر سے باہر تھا۔ وہ پوچھتا ہی رہا کہ کیا ہوا ہے۔ مگر انہوں نے اسے فون پہ کچھ نہیں بتایا۔ انہوں نے بمشکل آصفہ کو لاؤنج میں ایک طرف رکھے صوفے پہ لٹایا اور خود بے چینی سے ادھر ادھر چکراتے ہوئے معاذ کا انتظار کرنے لگے تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

"پانی' پانی۔" آصفہ کی آواز دھیرے سے ان تک پہنچی تھی۔

"علیزے آ گئی کیا شہاب۔" پانی پیتے ہی جو ذرا سے حواس بحال ہوئے تو انہوں نے پہلا سوال یہی کیا تھا وہ سر جھکائے نڈھال سے بیٹھے تھے وہاں بھرے مجمع میں اسے اٹھا کر لے گئے ورنہ کم از کم اسے جا کر کہیں ڈھونڈ ہی لیتے۔

"کچھ کریں' میری بیٹی مجھے واپس لا دیں پلیز۔ وہ کون لوگ تھے اسے کیوں لے گئے وہ تو بہت معصوم ہے۔ ہائے میں نے اسے کیوں جانے دیا تھا اپنے پاس سے کچھ کریں پلیز میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ پلیز اسے لے آئیں۔"

"آصفہ' حوصلہ کریں اسے کچھ نہیں ہو گا بہت جلد ہماری بیٹی ہمارے پاس ہوں تم فکر مت کرو۔" انہوں نے روتی ہوئی بیوی کا سر تھپکا تھا۔ حالانکہ ان کا اپنا دل بے بسی کے مارے خون کے آنسو رو رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے بابا؟ سب خیریت تو ہے۔"

ڈیڑھ گھنٹے کا سفر جتنی تیزی سے وہ مختصر طے کرتا ہوا گھر تک پہنچا تھا۔ یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ کتنی ہی بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ بابا تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس آئے تھے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں بابا آپ۔"

بابا کے منہ سے نکلنے والی بات نے اس کے حواس گم کر دیے تھے۔

"کچھ کرو بیٹا بہن کو واپس لاؤ۔ یا اللہ یہ کیا ہو گیا ہمارے ساتھ۔ یا اللہ رحم کر۔"

"بابا حوصلہ کریں میں آ گیا ہوں نا۔ سب ٹھیک

ہو جائے گا۔ آپ پلیز روئیں مت۔"

وہ بابا کو چھوڑ کر ماما کے پاس آ گیا تھا۔ ان کے آنسو پونچھ کر انہیں سینے میں بھینچ لیا تھا کتنے ہی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے تھے۔

"بابا میرا خیال ہے ہم پولیس کو انفارم کرتے ہیں۔"

چند لمحوں بعد معاذ کی آواز نے خاموشی کو توڑا تھا۔

"نہیں معاذ ایسا سوچنا بھی مت' بات اگر پولیس تک پہنچی تو اسے پورے شہر میں پھیلتے دیر نہیں لگے گی۔" بابا نے یکدم ہی اسے روک دیا تھا۔

"تو اور کیا کریں بابا اور کوئی طریقہ بھی تو نہیں ٹریس کرنے کا۔ میرا ایک دوست ہے وہ انٹیلی جنس میں ہے۔ میں اسے کال کرتا ہوں۔ وہ اپنے طریقے سے سب ہینڈل کرے گا۔" معاذ فوراً" ہی موبائل نکال کر نمبر پریس کرنے لگا تھا۔

"ٹھہرو معاذ" بابا کے ٹوکنے پر وہ نمبر پریس کرنا روک کر انہیں خاموشی سے دیکھنے لگا تھا۔

"صبر کرو۔ کچھ وقت گزرنے دو۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ خود ہم سے رابطہ کریں۔ کہ وہ کیا چاہتے ہیں کچھ دیر صبر کرو بیٹا۔ بات ابھی گھر میں ہے اگر گھر سے نکل گئی تو بہت بڑھ جائے گی۔ میری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے۔ ایسے معاملات جلد بازی سے نہیں سمجھداری سے حل کرنے چاہیے۔" پل بھر میں ان کی ساری توانائی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ وہ نڈھال سے بیٹھے تھے۔

"ٹھیک ہے بابا۔ تھوڑی دیر دیکھ لیتے ہیں۔ آپ حوصلہ رکھیں' ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ دونوں کو ہی سنبھالے بیٹھا تھا۔ یہ بیٹھے بٹھائے کسی قیامت ٹوٹ پڑی تھی ان پہ کہ وہ کسی سے فریاد بھی نہیں کر سکتے تھے۔

✡ ✡ ✡

علیزے نے بہت مشکل سے اپنی بوجھل آنکھوں کو کھولا تھا۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا پھیلا تھا۔ وہ ایک دم ہی اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کا سر بھاری ہو کر چکرا رہا تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے چکراتے سر کو تھامے بیٹھی رہی تھی۔ ارد گرد نگاہ دوڑانے پہ چند لمحوں تک وہ تو سمجھ ہی نہیں پائی کہ وہ کہاں ہے۔ پھر یکدم ہی دل میں کسی انہونی کا احساس جاگا تھا اور جب ذرا نگاہیں کمرے کے اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو اسے احساس ہوا کہ یہ کمرا اس کا نہیں ہے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا اور پھر اسی پل اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور نگاہوں میں صبح کا واقعہ کسی فلم کی طرح گھوم گیا تھا۔ وہ فوراً" ہی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بال بکھر گئے تھے اور دوپٹہ بے ترتیب تھا۔ اس نے سرعت سے دوپٹے کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا تھا۔

"ماما' ماما بھی تو میرے ساتھ تھیں۔" اس کے ذہن میں ابھرنے والی پہلی سوچ یہی تھی کمرے کی کھڑکیاں' دروازہ سب بند تھے۔ وہ تیزی سے دروازے تک پہنچی تھی۔

"یا اللہ یہ میں کہاں آ گئی۔ یا اللہ میری مدد کر!"

"کھولو پلیز دروازہ کھولو۔ کوئی ہے۔ پلیز دروازہ کھولو۔"

اس نے پوری قوت سے دروازہ کھٹکھٹایا تھا مگر دوسری طرف صرف سناٹا تھا وہ بھاگ کر دیوار گیر کھڑکی کی طرف آئی تھی مگر کتنی ہی کوششوں کے باوجود وہ کھڑکی کھلی ہی نہیں تھی۔ وہ تھک ہار کر پھر سے دروازہ پیٹنے لگی تھی۔

"دروازہ کھولو پلیز۔ مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہو۔ پلیز مجھے جانے دو۔ کوئی ہے۔ پلیز کوئی تو جواب دو۔"

آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے پیاس سے جیسے حلق میں کانٹے سے اگ آئے تھے۔ لیکن دوسری طرف ہنوز خاموشی تھی۔ وہ کتنے ہی لمحے چیخنے کے بعد وہیں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

"یا اللہ کسی طرح مجھے یہاں سے نکال دے میرے مالک۔ میرے گھر پہنچا دے۔ میرے ماما' بابا میرے

بھائی کے پاس۔ وہ لوگ کس قدر پریشان ہو رہے ہوں گے۔ کیا کروں کیسے نکلوں یہاں سے۔ میں نے تو کبھی کسی کے ساتھ بھول کر بھی کچھ برا نہیں کیا۔ کبھی بھی کس کا برا نہیں چاہا پھر میرے ساتھ یہ کیوں......"

وہ گھٹنوں میں سر دیئے ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ کلائی پہ بندھی گھڑی شام کے چار بجا رہی تھی اور وہ صبح گیارہ بجے کی گھر سے نکلی تھی۔

ایسے بیٹھے ہوئے جانے کتنی دیر گزری تھی کہ دروازے کے دوسری جانب کھٹکا سا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا تھا' علیزے کے پورے وجود میں کپکپاہٹ سی اتر آئی تھی۔ جانے اب کیا ہونے والا تھا۔

"تو تمہیں ہوش آگیا۔" دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی سکڑی سمٹی سی علیزے پہ ایک نگاہ ڈال کر بولا تھا۔

"ک...... کون ہو تم۔" اس کی آواز بمشکل نکلی تھی۔

آنے والے کا چہرہ مکمل طور پر نقاب میں چھپا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں اور ان آنکھوں سے علیزے کو دہشت ہو رہی تھی۔ وہ بنا اسے کوئی بھی جواب دیئے موبائل پہ کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔

"ہاں ہوش آگیا ہے اسے۔ اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔"

دوسری طرف کال پک ہوئی تو اس نے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہے اور کچھ۔" دوسری طرف سے جانے کیا ہدایت ہوئی تھی۔

"پھر اپنے پاس رکھنے کا فائدہ۔ ویسے مال ہے، بہت قیمتی۔"

اس نے ایک بھرپور نگاہ علیزے پہ ڈالی تھی' جو سر جھکائے کھڑی تھی۔

"اوکے ٹھیک ہے۔ جیسا تم کہو ویسا ہی ہوگا۔ ویسے بھی میرا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے آپ خوش تو ہم خوش۔"

دوسری طرف سے شاید اسے سختی سے یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا۔

"دیکھو مجھے جانے دو پلیز' میرا قصور کیا ہے' مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ تمہیں جو بھی چاہیے میرے بابا سے لے لو مگر مجھے جانے دو۔ میں تو تمہیں جانتی بھی نہیں ہوں۔"

وہ فون بند کر کے جب اس کے پاس آیا تو علیزے نے روتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"دیکھو لڑکی۔ ویسے جی تو نہیں چاہتا کہ تمہیں ایسے ہی جانے دوں مگر تم بے فکر رہو۔ ہمیں سختی سے آرڈر ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا ہے۔ تو جب ہمارا کام ہو جائے گا تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے اور یاد رکھو جتنی جلدی ہمارا کام ہوگا۔ ہم اتنی جلدی تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دیں گے اور جتنی دیر ہمارے کام میں لگے گی تمہیں اتنی ہی دیر یہاں لگے گی اور اب بار بار دروازہ مت بجانا' کوئی نہیں بار بار کھولے گا سمجھیں۔"

اس نے پستول کی نال اس کی پیشانی پر رکھ کر اسے وارن کیا تھا اور باہر نکل کر دروازہ لاک کر دیا تھا۔ بے بسی کے مارے اس کی آنکھیں پھر سے چھلک گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"بس بابا اب مجھ سے اور انتظار نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے اب ہمیں پولیس کو انفارم کر دینا چاہیے۔ شام ہونے والی ہے اور کچھ اتا پتا نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی فون وغیرہ آیا ہے۔ ہم کب تک ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔"

کب سے خاموش بیٹھے معاذ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"آپ لوگ کب تک ایسے بیٹھے رہیں گے کچھ کرتے کیوں نہیں ہیں۔ وقت گزرتا جا رہا ہے۔ جانے کس حال میں ہوگی میری بیٹی۔" آصفہ قدرے غصے سے

بول کر پھر سے رونے لگی تھیں جوں جوں وقت گزر رہا تھا ان کے جسم سے جیسے جان نکلتی جارہی تھی۔

"بابا آپ نے احتشام انکل کو بتایا۔" معاذ کو اچانک ہی ان کا خیال آیا تھا۔

"نہیں بیٹا۔" وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھے تھے۔

"ہمیں انہیں بتانا چاہیے بابا۔"

"نہیں بیٹے مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ میں کیسے اپنے منہ سے۔" بے بسی کے مارے انہوں نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا تھا۔

"ہاں معاذ! انہیں ابھی کچھ مت بتانا۔ کیا جانے وہ کیا سوچیں۔ ابھی انہیں کچھ مت بتانا۔ ابھی کسی کو کچھ مت بتانا۔ ورنہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی میری بیٹی قصوار کہلائے گی۔"

کہتے کہتے آصفہ کی آواز رندھ گئی تھی۔ تیزی سے ہلتے لبوں سے اب اللہ کے کلام کے ساتھ بیٹی کی سلامتی کی دعائیں بھی گردش کررہی تھیں۔

"بابا میں رضا کو فون کرنے لگا ہوں۔" معاذ نے ٹیبل سے فون اٹھایا تھا۔ رضا اس کا وہی دوست جو انٹیلی جنس میں تھا۔

"نہیں بیٹا ابھی کچھ دیر رکو کچھ دیر اور۔ میرا دل نہیں مانتا میں کیسے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو بدنامی کے گہرے کنوئیں میں دھکیل دوں۔ میں جانتا ہوں اس وقت ہم سب جس اذیت سے گزر رہے ہیں مگر بیٹا ہم لوگ بہت مجبور ہوگئے ہیں۔ بہت مجبور۔۔۔۔"

گھر کی دیواریں جیسے ان پہ گرنے کو تھی پل بھر میں جھک سے گئے تھے۔

"مگر بابا کب تک ہم۔۔۔۔"

معاذ کی بات ابھی ادھوری تھی کہ گھر کے دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ اتنی دیر سے کسی کو ہوش ہی نہیں تھا کہ اٹھ کر کوئی دروازہ بند کرلیتا اور پھر جانے کس آس پہ دروازہ کھلا رکھا تھا۔ کھلے دروازے سے آنے والے کو دیکھ کر وہ تینوں ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جس لمحے سے بچنے کے لیے وہ تینوں چھپے بیٹھے تھے۔ وہ لمحہ آن پہنچا تھا۔

احتشام انکل وہیں سے کچھ کہتے ہوئے ان تک آئے تھے۔

"انکل آپ۔۔۔" معاذ ہی ان کی طرف بڑھا تھا۔ وہ دونوں گنگ سے کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے شہاب کیا ہوا ہے اور علیزے کہاں ہے۔"

ان کے دل کو کسی انہونی کا فوراً" احساس ہوا تھا اور شہاب زیدی جو کب سے خاموش ضبط کیے کھڑے تھے۔ ان سے لپٹ کر انہیں ساری بات بتا گئے تھے۔ کیونکہ اب کچھ بھی چھپانا بے کار تھا۔

"کیا۔ کیا کہہ رہے ہو تم ہوش میں تو ہو۔" وہ بوکھلا کر انہیں دیکھ رہے تھے۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ایک قیامت ہے جو بن بلائے بنا کسی قصور کے ہم پہ ٹوٹ پڑی ہے۔" ان تینوں کی نڈھال حالت دیکھ کر انہیں بالآخر یقین کرنا ہی پڑا تھا۔

"اور تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا نہ تو مجھے تم سے کچھ کام تھا۔ اس لیے میں آفس سے سیدھا یہاں آگیا۔ اگر میں نہ آتا تو مجھے تم کچھ نہ بتاتے۔ حد ہوتی ہے غیریت کی۔ صبح سے شام ہوگئی ہے۔"

انہوں نے بوکھلاہٹ میں سارا غصہ ان پر نکال دیا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"بس کردیں منیجر صاحب اور کتنے سائن کروانے ہیں۔"

حمزہ نے مسکراتے ہوئے منیجر صاحب سے کہا تھا۔ جو کوئی تیسری بار اس سے پیپرز سائن کروانے آئے تھے۔

"بس سر یہ لاسٹ ٹائم ہے۔ یہ بہت ضروری کاغذات ہیں ارجنٹ جمع کروانے تھے۔ بڑے صاحب آج جلدی چلے گئے تو ان کی غیر موجودگی میں بار بار آپ

کو تنگ کرنا پڑا۔" وہ ہنستے ہوئے بولے تھے۔ حمزہ نے سر ہلا کر مطلوبہ جگہ پہ سائن کرنے کے بعد فائل انہیں تھمائی اور ان کے جانے کے بعد کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر پلکیں موند لی تھیں۔ بابا آج جلدی آفس سے چلے گئے تھے کیونکہ انہیں کسی ضروری کام کے لیے شہاب انکل سے ملنے جانا تھا۔ وہ آفس سے سیدھے وہیں جانے والے تھے۔

"پتا نہیں علیزے کیسی ہوگی کیا کر رہی ہوگی؟ یقیناً" وہ اس وقت بابا کو ڈھیر سارے لوازمات کے ساتھ چائے پلا رہی ہوگی۔"

آنکھوں میں اس کا سراپا لہرایا تو لبوں پہ آپ ہی دلکش مسکراہٹ در آئی تھی۔

"کتنے دنوں سے اس سے بات نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی ملاقات۔ میں بھی بابا کے ساتھ چلا جاتا تو کم از کم اسے دیکھ ہی لیتا۔" دل نے بھی اس کے خیالات کی بھرپور تائید کی تھی۔ وہ دونوں نہ تو روز ملتے تھے اور نہ ہی دیوانوں کی طرح روز آدھی رات تک باتیں کرتے تھے۔ بس کبھی کبھار مختصر سی کال یا میسج۔ لیکن وہ نکاح جیسے مضبوط بندھن میں بندھ چکے تھے۔ اس سے خود بخود ہی ان دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے چاہت مزید گہری ہوگئی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ علیزے کو کال کرے۔

اس نے ٹیبل پہ رکھا اپنا فون اٹھایا اور اس سے پہلے کہ وہ نمبر پریس کرتا موبائل کی اسکرین روشن ہوئی تھی اور آنے والا کوئی اجنبی نمبر تھا۔ وہ کافی عرصے سے اجنبی نمبرز سے آنے والی کالز کو اگنور کرتا رہا تھا اور وجہ تھی علینہ وقار مگر اس وقت جانے کیوں اس نے کال پک کی تھی۔

"ہیلو۔" حمزہ نے بہت احتیاط سے کہا کیونکہ خدشہ تھا کہ دوسری طرف وہی ہوگی اور اس وقت وہ اس سے بات کرکے اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"حمزہ احتشام بات کر رہے ہو۔" دوسری طرف سے آنے والی مردانہ آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

"جی ہاں آپ کون؟" اس نے پوچھنا ضروری سمجھا کیونکہ آواز اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔

"اس بات کو چھوڑو کہ میں کون ہوں یہ سنو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔" جانے کیوں اس لمحے حمزہ کا دل دھڑکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا دوسری طرف سے کی جانے والی بات سن کر وہ سناٹے میں رہ گیا تھا۔

"تمہاری بیوی ہمارے قبضے میں ہے اور اب جو ہم کہتے ہیں تمہیں وہی کرنا ہوگا۔"

"کیا کہا تم نے......" وہ تیزی سے بولا تھا۔ اس کے ماتھے کی رگیں تن گئی تھیں۔

"کیوں کم سنتے ہو کیا علیزے شہاب تمہاری بیوی ہے نا۔" جیسے اس کا مذاق اڑایا گیا تھا۔

"ہاں مگر تم کون ہو اور......"

"تو بس میری بات غور سے سنو۔ وہ ہمارے پاس ہے اور اپنے گھر واپس صرف اسی صورت میں جاسکتی ہے۔ جب تم اسے چھوڑ دو یعنی طلاق دے دو۔ ورنہ نتائج کے ذمہ دار تم خود ہوگے!"

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم۔" وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اب تم اسے بکواس کہو یا پیار بھری دھمکی۔ شاید تم جانتے ہوگے کہ جب کسی کو اغوا کیا جاتا ہے تو بدلے میں تاوان بھی لیا جاتا ہے اور تمہارا تاوان یہی ہے۔ تم اسے طلاق دے دو تو ہم بنا ایک بھی پل ضائع کیے اسے گھر چھوڑ آئیں گے۔"

"میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا تم ہو کون؟ شرافت سے اسے چھوڑ دو ورنہ تم مجھے جانتے نہیں ہو میں ایک پل میں تم تک پہنچ سکتا ہوں۔" اس کا خون کھول اٹھا تھا۔ وہ غصے سے چیخ پڑا تھا۔

"زیادہ بک بک نہ کرو۔ جتنی دیر تم ہم تک پہنچنے میں لگاؤ گے اتنی دیر میں تم سمجھتے ہو کہ ہم اس کے ساتھ کیا کچھ کرسکتے ہیں اور ویسے بھی وہ بے حد حسین۔ اس لیے ٹائم برباد مت کرو۔ جو کہا ہے بس اتنا کرو۔ شاید تمہیں معاملے کی سنگینی کا احساس نہیں ہے۔ جانتے نہیں ہو ہم کون ہیں اور کیا کچھ کرسکتے ہیں۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے بس اتنا یاد رکھنا کہ تمہارا

ایک انکار اس کی پوری زندگی برباد کردے گا۔ اچھی طرح سوچ لو آدھے گھنٹے بعد پھر فون کرتا ہوں اتنا ضرور یاد رکھنا کہ تمہاری ایک نا ساری زندگی کا پچھتاوا نا بن جائے۔" کہتے ہی لائن کاٹ دی گئی تھی۔

"سنو' سنو ہیلو میری بات سنو۔ تم ایسا کچھ نہیں کرسکتے۔ ہیلو ہیلو میری بات سنو۔"

جواباً" وہ کتنے ہی لمحے پکارتا رہا تھا۔ اس نے نمبر چیک کیا تو وہ کسی پی سی او کا تھا اور یہ نمبر ٹریس کرنا اس کے لیے کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ مگر جانے کسی مصلحت کے تحت وہ رک گیا تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے ساکت سا وہاں بیٹھا رہا تھا۔ اس کا وجود جیسے برف بن گیا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے۔ کون کرسکتا ہے ایسی گھٹیا حرکت۔"

سوچتے ہوئے وہ نڈھال سا بیٹھا تھا کہ جیسے اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا تھا۔

"کہیں یہ سب......"

خیال آتے ہی اس نے تیزی سے موبائل اٹھایا اور علینہ وقار کے نمبر ریس کرنے لگا تھا۔ وہ آج پہلی بار اس کو فون کر رہا تھا۔ مگر دوسری طرف کتنی ہی بیلز کے بعد خود ہی لائن کٹ گئی تھی اور کسی نے ریسیو ہی نہیں کیا تھا جبکہ دوسری طرف علینہ موبائل ہاتھ میں تھامے مسکرا رہی تھی۔ جس کی اسکرین پہ بہت واضح حمزہ کالنگ چمک رہا تھا۔ شاید اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی مگر اس وقت وہ صرف تماشا دیکھ رہی تھی حمزہ مسلسل ری ڈائل کر رہا تھا اور پھر کتنی ہی کوشش کے بعد اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"او ہائے حمزہ۔" ایک ادا سے کہا گیا تھا۔

"یہ سب تم نے کروایا ہے۔" وہ چھوٹتے ہی بولا تھا۔

"کیا؟" تنہا تھی بھولی بن گئی۔

"میں جانتا ہوں یہ سب تم نے کیا ہے۔ سیدھی طرح بتادو علیزے کہاں ہے ورنہ......" اس کا دماغ کھول رہا تھا۔ اگر وہ سامنے ہوتی تو جانے کیا کر ڈالتا۔

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو حمزہ۔ میں سمجھ نہیں پائی۔ کیا ہوا ہے علیزے کو۔" وہ واقعی نہیں سمجھی تھی یا بن رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"دیکھو تم یہ بہت غلط کر رہی ہو تمہیں اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ان سب میں علیزے کا کیا قصور ہے۔" وہ اس وقت خود کو بے بسی کی انتہا پہ محسوس کر رہا تھا۔

"قصور ہے حمزہ۔ اس کا قصور یہ ہے کہ تم اسے چاہتے ہو۔ تم ہمیشہ مجھے چھوڑ کر اس کے پاس گئے۔ اس کی خاطر تم نے مجھے ریجیکٹ کیا۔ ہاں میں نے کیا ہے سب کچھ۔ بولو کیا کرو گے تم جس طرح تم آج تڑپ رہے ہو۔ اسی طرح میں بھی تڑپ رہی ہوں۔ اب تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں چاہوں گی۔"

ایک آگ تھی اس کے لہجے میں' اس کے وجود میں' جو اس وقت سب کو جھلسا رہی تھی۔

"پر میں کبھی تمہارا تھا ہی نہیں علینہ۔ میں تو ہمیشہ سے ہی اس کا ہوں۔ اس سے اول روز سے محبت کرتا ہوں۔ تم زبردستی مجھے خود سے محبت کرنے پر کیسے مجبور کرسکتی ہو۔ میں ویسی ہی زندگی گزاروں گا جیسی میں چاہتا ہوں۔ میں کٹھ پتلی نہیں ہوں جو تمہارے اشاروں پر چلتا رہوں گا۔ ختم کرو یہ تماشا اور سیدھی طرح شرافت سے اسے گھر پہنچاؤ۔" حمزہ نے سختی سے کہا تھا۔

"کرو گے حمزہ' تم وہی کرو گے جو میں چاہوں گی اور اب وہ ایک ہی شرط پہ اپنے گھر واپس جاسکتی ہے جب تم اسے چھوڑو گے' ورنہ تم اچھی طرح جانتے ہوئے کہ لڑکی کی گھر سے باہر گزری ایک رات کس طرح اس کی پوری زندگی کو بدل دیتی ہے۔ تم جتنی دیر لگاؤ گے بدنامی اسی تیزی سے اس کی طرف بڑھے گی اور پھر میں گارنٹی نہیں دے سکتی کہ جن لوگوں نے اسے اٹھایا ہے وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں۔" وہ اپنی ضد اور انا میں ہر حد پار کرنے کو تیار تھی۔ وہ سن سا کھڑا تھا۔

"اور ہاں زیادہ چالاکی مت دکھانا ورنہ' بھی اس کے گھر پہنچ سکتی ہے۔"

کہنے کے ساتھ ہی اس نے کال بند کی بلکہ موبائل ہی آف کردیا تھا۔ وہ کتنی دیر خاموشی سے وہیں کھڑا رہا تھا اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی زندگی بس چند قدموں کے فاصلے پہ تھی لیکن وہ کتنا "بے بس" کس قدر مجبور تھا کہ ہاتھ بڑھا کر اسے تھام نہیں سکتا تھا۔

"یا خدا میں کیا کروں۔"

"یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ ان حالات میں اب کون میرا یقین کرے گا کہ میں نے کبھی علینہ سے fairness شو نہیں کی اور شاید بابا بھی نہیں۔"

"بابا' بابا بھی تو وہیں ہیں۔ وہاں اس وقت سب کا کیا حال ہوگا۔ مجھے وہاں جانا چاہیے مگر۔۔۔"

وہ کتنے ہی لمحے خود ہی سوچتا اور خود ہی اپنے خیالات کو رد کرتا رہا تھا۔ بجتے ہوئے موبائل نے یکدم ہی اس کی توجہ اپنی طرف دلائی تھی۔ بابا کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً" ہی کال پک کی تھی حمزہ کو اس وقت ان کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

"ہیلو بابا۔" وہ بے تابی سے بولا تھا اور جواباً" بابا نے اسے جلدی سے وہاں پہنچنے کی تاکید کرتے ہوئے فون بند کردیا تھا۔ وہ بدحواس سا گاڑی کی چابیاں اور موبائل اٹھاتا تیزی سے باہر بھاگا تھا اسے اس وقت کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شہروز اسے یوں بدحواس بھاگتا ہوا دیکھ کر پکارتا اس کے پیچھے آیا تھا لیکن اس نے سنا ہی نہیں۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کرکے تیزی سے بیک کی اور دس منٹ بعد وہ انتہائی رف ڈرائیونگ کرتا ہوا بابا کے سامنے تھا وہاں سب کی حالت دیکھ کر وہ خود کو مجرم محسوس کررہا تھا اسی اثنا میں معاذ اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا ہوا کچھ پتا چلا۔" سب نے امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھا وہ مایوسی سے نفی میں سرہلا کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔

احتشام انکل کے آتے ہی وہ باہر نکل گیا تھا اور اب جانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر آرہا تھا۔ راستے میں ایک پل کو اس نے گاڑی پولیس اسٹیشن کے سامنے روکی تھی۔ مگر پھر بابا کا خیال آتے ہی اس نے گاڑی واپس موڑی تھی۔ حمزہ نے روتی ہوئی ماما کو بازو میں بھر لیا تھا اور خاموشی سے ان کے آنسو پونچھے تھے۔ کہنے کو تو اب اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

"میری بیٹی بے قصور ہے حمزہ۔ تم تو اسے جانتے ہو نا۔ ضرور ان لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوگئی ہوگی۔"

ماما کی بات کے جواب میں اثبات میں سرہلاتے ہوئے اس کا دل کٹ گیا تھا۔

"آپ کو کیسے بتاؤں ماما میں کہ وہ مجھ سے محبت کی سزا کاٹ رہی ہے۔" اس خاموشی میں اس کے بجتے موبائل نے سب کو اس کی طرف متوجہ کردیا تھا۔ آنے والا نمبر پھر سے اجنبی تھا۔ حمزہ کا دل دھڑکا گویا فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی اور یہاں ماما اور شہاب انکل کی حالت دیکھ کر بھی ایک پل لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں وہ ایکسکیوز کرتا باہر نکل آیا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے واضح طور پہ اپنے ہاتھوں میں کپکپاہٹ محسوس کی تھی۔

"پھر کیا سوچا تم نے" آواز وہی کچھ دیر پہلے والی تھی۔

"نہیں۔۔۔" وہ کچھ بولتے بولتے رکا تھا۔ اس کی آواز بہت مدھم تھی۔

"سیدھے سیدھے بولو ہاں یا نہ زیادہ اگر مگر مت کرو۔" بے زاری سے کہا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ مجھے تمہاری بات منظور ہے تم اسے چھوڑ دو۔ تم جیسا کہتے ہو میں ویسا ہی کروں گا۔"

دل پہ پتھر رکھنا کسے کہتے ہیں یہ آج حمزہ کو سمجھ آیا تھا۔

"واہ بڑی جلدی مان گئے۔ ٹھیک ہے۔ ایک گھنٹے تک وہ گھر پہنچ جائے گی۔"

"سنو میری بات سنو مجھے بتاؤ کیا تم کہاں سے بول رہے ہو۔ میں خود اسے لینے آؤں گا۔"

حمزہ نے تیزی سے اس سے کہا تھا مبادا وہ فون بند کردے۔

"زیادہ ہوشیاری مت دکھاؤ میں تمہیں بتا جاؤں تاکہ تم پولیس کو ساتھ لے آؤ۔ وہ پہنچ جائے گی اور سنو آگے سے کوئی چالاکی مت دکھانا۔ کیونکہ جب ہم بھرے بازار سے اسے اٹھا سکتے ہیں تو گھر میں گھس کر اسے مار بھی سکتے ہیں۔ سمجھے۔ اب بند کرو فون اور ہاں ایک ہفتے بعد فون کروں گا۔ یہ پتا کرنے کے لیے کہ تم نے اسے وعدے کے مطابق طلاق دی یا نہیں۔"

لائن کٹ گئی تھی یا نہیں وہ کتنی ہی دیر یوں ہی موبائل کان سے لگائے کھڑا رہا تھا۔ اس پل اس کے دل نے پھڑکنا بند کر دیا تھا۔ اس کی سانس جیسے رک رہی تھی۔ اس کے لیے وقت جیسے تھم سا گیا تھا ساکت ہو گیا تھا۔ اس پل بارش کے کتنے ہی قطرے اس پہ ٹھہر گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"کہاں لے جا رہے ہو مجھے چھوڑو مجھے" صبح سے چیخ چیخ کر اس کا گلا بیٹھ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں پہ پٹی باندھ کر اسے کسی نے گاڑی میں دھکیل دیا تھا اور اب وہ گاڑی اسے نجانے کہاں لے جا رہی تھی۔

"چپ کرو۔ تم چلا چلا کے تھکتی نہیں ہو۔"

اس کے برابر بیٹھا آدمی زور سے بولا تھا وہ ڈر کر خاموش ہو گئی تھی۔

"خاموشی سے بیٹھو، تمہیں تمہارے گھر چھوڑنے جا رہے ہیں۔ اب اگر ذرا سی بھی آواز نکالی تو۔" برابر بیٹھے آدمی نے پستول کی نال زور سے اس کی کنپٹی میں چبھوئی تھی۔ وہ ڈر کر سہم کر خاموش ہو گئی تھی۔ مگر وہ اندر ہی اندر بہت ڈری ہوئی تھی، بے یقین تھی کہ کیا واقعی وہ اسے اس کے گھر چھوڑنے جا رہے ہیں۔ اس کے ماں باپ، بھائی کے پاس، وہ اسے یہاں کیوں لائے تھے، کون تھے وہ جان نہیں پائی تھی اور اگر جان جاتی تو شاید یہیں مر جاتی۔

گھر سے کافی دور مین روڈ پہ ان لوگوں نے اسے گاڑی سے اتار دیا تھا اور گاڑی سے اترنے سے پہلے اسے صرف اتنا کہا تھا کہ اسے ایک غلط فہمی کی بنا پر غلطی سے اٹھایا گیا تھا جبکہ اٹھانا کسی اور کو تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ابھی پوری طرح سنبھلی بھی نہیں تھی کہ وہ لوگ تیزی سے گاڑی بھگا لے گئے تھے۔ آنکھوں سے پٹی کھولتے ہی اس کی آنکھیں چندھیا سی گئی تھیں مگر یہ دیکھ کر کہ یہ سیدھا راستہ اس کے گھر کو ہی تو جاتا ہے وہ خوشی سے بے حال ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے چلنے لگی تھی حالانکہ اس کے قدم تھک رہے تھے بھوک اور پیاس سے اس کا برا حال تھا لیکن اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

اس کا دل ابھی تک بے یقین تھا کہ وہ اتنی آسانی سے اپنے گھر پہنچ گئی ہے اور پھر گھر پہنچنے تک ہلکی ہلکی پڑنے والی پھوار نے اسے زیادہ نہیں تو تھوڑا تو بھگو ہی دیا تھا۔ گھر کا گیٹ سامنے تھا جو پورا بند نہیں تھا نیم وا سا تھا شاید اسی کے انتظار میں، وہ لڑکھڑاتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے لگا تھا کہ اس بیچ میں جانے کتنی صدیاں گزر گئی ہیں۔ بمشکل وہ لان کراس کر کے لاؤنج کے دروازے تک آئی تھی۔

"علیزے۔" سب سے پہلے ماما کی نظر اس پر پڑی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف آئی تھیں اور پھر ان کے پیچھے سب ہی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ سب اس تک پہنچتے اس نے اپنے چکراتے سر کو بمشکل تھاما اس سے پہلے کہ وہ گر پڑتی حمزہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا تھا اور شاید یہ آخری سہارا تھا۔ جو اس نے حق سے علیزے کو دیا تھا۔ اس کے بعد تو شاید..... حمزہ کا وجود اس پل جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اس کے ارد گرد ہی گر رہا تھا اور ان ٹکڑوں میں دل کے کروڑوں ٹکڑے تھے۔

"معاذ ڈاکٹر کو فون کرو فوراً۔" معاذ تیزی سے ڈاکٹر کو فون کرنے بھاگا تھا۔ شہاب انکل اور ماما نے ہی اسے سہارا دے کر اس کے کمرے تک پہنچایا تھا۔ حمزہ وہیں دور کھڑا دیکھتا رہا تھا جب دور ہی جانا ہی تو ابھی سے کیوں نہیں۔

"یہ کسی شدید شاک کے زیر اثر ہیں۔ میں نے انجکشن دے دیا ہے۔ ان شاء اللہ صبح تک ٹھیک

ہوجائیں گی۔ اور ہاں جب تک یہ خود نہ جاگیں۔ انہیں ڈسٹرب مت کیجیے گا۔"

ڈاکٹر نے چند میڈیسن کاغذ پہ لکھنے کے ساتھ ساتھ انہیں ہدایت کی تھی۔

"آؤ کے ڈاکٹر۔" معاذ اور شباب انکل ڈاکٹر کے ساتھ ہی باہر نکل گئے تو ماما اس کی پیشانی پہ ماتھا ٹکائے رو پڑی تھیں۔

"حوصلہ کریں بھابھی خدا نے کرم کردیا ہے ان شاء اللہ صبح تک ہماری بیٹی بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔" احتشام احمد نے انہیں تسلی دی تھی سب ہی شکر گزار تھے کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ گئی ہے اور باقی تفصیلات تو اس کے ہوش میں آنے کے بعد پتا چلنی تھیں۔ حمزہ نے اس پل بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی بڑی بڑی خمدار پلکوں والی آنکھیں جو اسے بہت پسند تھیں۔ اس وقت بند تھیں۔ چہرے پہ زردی کھنڈی تھی۔ جب اس کا چہرہ نگاہوں کے سامنے دھندلانے لگا تو وہ چپکے سے' خاموشی سے وہاں سے باہر نکل آیا تھا اور شاید ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے بھی کیونکہ اس میں سب کی بھلائی تھی اور خاص کر علیزے کی۔ کیونکہ وہ کسی طور نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس سے وابستہ رہ کر زندگی بھر کے لیے خوشی اور سکون سے محروم رہ جائے۔

"یا اللہ مجھ میں اس سے جدائی کی سکت نہیں ہے۔" اس نے ایک نگاہ برستے آسمان پہ ڈالی تھی۔ بارش اب قدرے تیز ہوچکی تھی۔ کتنے ہی خوشگوار لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائے تھے۔ وہ سست روی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح جب علیزے کی آنکھ کھلی تو ماما اس کے سرہانے بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھیں اور وقفے وقفے سے اس پہ دم بھی کررہی تھیں۔ اس کے جاگتے دیکھا تو ایک اطمینان بھرا سانس لیا اور چند لمحے تلاوت کے بعد تلاوت ختم کرکے قرآن پاک بند کر کے اپنی جگہ پہ رکھا اور اس کے پاس آگئیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے میری بچی کی؟" انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوما۔

"ٹھیک ہوں ماما۔" اس کا دل و دماغ ابھی تک ایک انجانے سے خوف میں مبتلا تھے۔

"علیزے تم ٹھیک ہونا بیٹا۔ میرا مطلب ہے۔" وہ کچھ پوچھتے پوچھتے رک گئی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں ماما۔"

اس لمحے کیا تھا ماما کی نگاہوں میں وہ ان کا مطلب سمجھ کر نگاہ پھیر گئی تھی۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

انہوں نے بے ساختہ ہی اس مالک کا شکر ادا کیا تھا۔ جس نے ان کی دعائیں سن لی تھیں۔

"ارے اٹھ گئیں بیٹا میں بھی دیکھنے آیا تھا۔"

اس لمحے بابا نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور اسے جاگتا پا کر اندر چلے آئے تھے علیزے بابا کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھی۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔

"آپ آفس نہیں جارہے کیا۔" آصفہ نے انہیں رات والے کپڑوں میں دیکھ کر کہا تھا۔

"نہیں میں آج اپنی بچی کے پاس ہوں اور آپ ہم دونوں کا ناشتا یہیں لے آئیے۔" وہ مزید اطمینان سے بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔

"اچھا میں لے آتی ہوں۔"

"بابا۔" ماما کے باہر جانے کے بعد علیزے نے انہیں پکارا تھا۔

"جی میری جان۔" بابا نے اسے بازو میں بھر لیا تھا۔

"بابا میں ان لوگوں کو نہیں جانتی تھی وہ کون تھے کیا چاہتے تھے مجھے نہیں معلوم انہوں نے کہا کہ انہیں غلط فہمی ہوئی تھی وہ غلطی سے مجھے لے گئے تھے میرا کوئی قصور نہیں تھا۔"

وہ جیسے ہی ان کے کندھے سے لگی آنسو خود بخود ہی اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے جانے کس خدشے کے تحت وہ بابا سے یہ سب کہہ گئی تھی۔ حالانکہ جانتی تھی کہ اس کے والدین اس پر کتنا اعتبار کرتے ہیں۔

"ہش بے وقوف، تمہیں اپنے بابا سے یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اپنی بیٹی پہ پورا بھروسا ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اب تم اپنے دماغ پر زور مت دو۔ پہلے ہی تمہاری طبیعت خراب ہے۔ جو کچھ ہوا اسے ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھلا دو بیٹا!"

وہ دھیرے دھیرے اس کا سر تھپک کر اسے تسلی دے رہے تھے۔ اس لمحے معاذ اندر داخل ہوا تھا۔

"ارے علیزے کیسی ہو۔ واہ بھئی خوب لاڈ ہو رہا ہے۔ میرے لیے بھی تھوڑی جگہ چھوڑ دو۔"

دل پہ دھرا بوجھ یکدم ہی سرک گیا تھا کہ اس کے گھر والے ابھی بھی اسے ویسا ہی سمجھتے ہیں ویسے ہی اعتبار کرتے ہیں۔ ان سب میں سے کسی نے بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کون لوگ تھے، کہاں لے گئے تھے صرف اس خیال سے کہ اسے تکلیف ہو گی۔

"اچھا بابا میں آفس جا رہا ہوں۔ کل بھی کسی کو بتائے بغیر بھاگ آیا تھا اب جا کے دیکھوں کہ نوکری بچی ہے کہ گئی۔" وہ جتنی تیزی سے آیا تھا اتنی ہی تیزی سے جانے کو مڑا تھا۔

"ناشتا تو کرو۔" بابا نے پیچھے سے کہا۔

"کر لیا بابا ماما کچن میں بنا رہی ہیں۔ ان کے پاس کھڑے کھڑے ہی کر لیا تھا۔ اللہ حافظ" وہ بولتے بولتے باہر نکل گیا تھا۔ تو بابا ہنس پڑے تھے۔

"یہ لڑکا کبھی نہیں سدھرے گا۔"

جانتے تھے کل کا پورا دن اس نے بہن کے لیے کس اذیت میں گزارا ہے اور اب بھی جلدی کے باوجود بس ایک نظر اسے دیکھنے آیا تھا اور پھر ناشتے کے دوران ہی ماما نے اسے بتایا کہ احتشام انکل کی کال آئی تھی۔ اس کی طبیعت پوچھ رہے تھے اور اس کے بنا پوچھے ہی ماما نے اسے بتا دیا تھا کہ حمزہ بھی کل کس قدر پریشان رہا ہے اور رات گئے تک یہیں موجود تھا اور ابھی احتشام بھائی بتا رہے تھے کہ پوری رات اس کے کمرے کی لائٹ جلتی رہی ہے۔

ماما کے جانے کے بعد اس نے کتنی بار اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا تھا مگر وہاں کوئی میسج کوئی کال نہیں تھی۔ حالانکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی جب وہ گرنے کو تھی تو اسے حمزہ نے ہی بڑھ کر سنبھالا تھا۔ اس کے ذہن میں عجیب عجیب خیالات آ رہے تھے۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ وہ پوری قوت سے ان خیالات کو جھٹک کر آنکھیں موند کر لیٹ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس دن کے بعد حمزہ نے کتنے سارے دن ایک اذیت میں گزارے تھے۔ کسی کو کچھ بھی بتائے بنا وہ اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا۔ اس نے علیزے کو نہ تو کوئی کال کی تھی اور نہ ہی اس سے ملنے گیا تھا وہ علیزے کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے اغوا کے بعد سے اس سے بدگمان ہو چکا ہے۔ وہ اسے مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سے وابستگی علیزے کو نقصان پہنچائے گی۔ اس لیے وہ دھیرے دھیرے اسے خود سے دور کر رہا تھا شہروز کئی دن سے اس کی پریشانی کو محسوس کر رہا تھا اور آج اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ حمزہ سے بات کرے گا اور اب وہ زبردستی اسے کھینچ کر ایک ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا اور شہروز کے بہت پوچھنے پر حمزہ نے اسے جو کچھ بتایا وہ سب سن کر شہروز کے حواس گم ہو گئے تھے وہ کتنی ہی دیر خاموشی سے بیٹھا رہا تھا۔

"اب کیا کرو گے تم؟" کتنے لمحے بعد شہروز نے اس سے پوچھا تھا۔

"وہی جو وہ لوگ چاہتے ہیں۔" عجیب مایوس سا انداز تھا اس کا بارا ہوا۔

"پاگل ہو تم ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" شہروز نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

"تو میں اور کیا کروں کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے نا۔ اگر میں اس کے ساتھ رہا تو اس کو کوئی بھی نقصان ہو سکتا ہے اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ تم خود سوچو شہروز

اگر اسے کچھ ہو جاتا ہے تو میں کیسے خود کو معاف کرتا۔ میں کیسے سب کا سامنا کرتا اور پتا ہے شہاب انکل کہہ رہے تھے کہ انہوں نے چند دنوں سے اپنے محلے میں عجیب سے لوگ دیکھے ہیں۔ اب میں انہیں کیسے بتاؤں کہ یہ کیا سلسلہ ہے۔ اب بس اس کا یہی حل ہے۔"

وہ ازحد پریشان تھا۔

اس کا وجود مکمل طور پر خالی ہو چکا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ کھوکھلا ہو چکا تھا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے حمزہ اس طرح تم دونوں کی زندگی خراب ہو جائے گی۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ خوش رہے گی۔ اطمینان بھری زندگی گزارے گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ مر جائے گی حمزہ اور تم خوش بھی نہیں رہ پاؤ گے اور پھر انکل کیا وہ تمہیں یہ سب کرنے دیں گے۔" شہوز نے اس لمحے اس کے دکھ کو اپنے اندر محسوس کیا تھا۔

"یہی تو اصل مسئلہ ہے نا یار۔ بھی مجھے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔" ان دونوں کے سامنے رکھی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی اور دونوں کو ہی اسے پینے کا خیال نہیں آیا تھا۔

"میں چاہوں تو اس مسئلے کو لمحوں میں حل کر سکتا ہوں۔ کورٹ میں ان کے خلاف کیس کر سکتا ہوں لیکن اس سے ہم سب کی کس قدر بدنامی ہوگی اور پورے شہر میں بات کس قدر اچھلے گی اور پھر آج کل سب کچھ اتنا فاسٹ ہو چکا ہے کہ کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ بس یہ سب سوچ کر ہی میں خاموش ہوں۔"

شہوز سے بات کر کے اس کے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا تھا۔

"ہاں کہتے تو تم بھی ٹھیک ہو۔ آج کل تو لمحوں میں بات پورے شہر میں پھیل جاتی ہے اور انسان نا چاہتے ہوئے بھی بس تماشا دیکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ویسے ایک بات ہے حمزہ مجھے اس لڑکی سے اس قدر گھٹیا پن کی امید نہیں تھی۔"

شہوز کا دل چاہا جا کر اسے اتنی سنائے کہ آئندہ وہ محبت کے نام سے توبہ کرے۔

"حمزہ تم یہ ساری باتیں انکل کو بتا کر انہیں اعتماد میں لے کر ہی اب کوئی فیصلہ کرنا اور اگر تم نے انہیں نہ بتایا تو میں انہیں بتا دوں گا۔" شہوز نے ہمیشہ کی طرح اسے یہی مشورہ دیا تھا۔

"نہیں شہوز بابا کو ابھی کچھ مت بتانا۔ میں کوئی مناسب سا وقت دیکھ کر انہیں خود ہی سب کچھ بتا دوں گا وعدہ کرو تم انہیں کچھ نہیں بتاؤ گے۔" حمزہ نے فوراً ہی اسے روک دیا تھا۔

"او کے میں تو تمہاری پریشانی کے خیال سے کہہ رہا تھا۔ جیسا تم چاہو۔"

شہوز نے ایک نگاہ اس کے تھکے تھکے سے چہرے پہ ڈالی اور مزید بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اسی پل حمزہ کا موبائل بجا تھا تو وہ اس طرف متوجہ ہو گیا اور شہوز کو گاڑی کی چابی دے کر کہا کہ وہ پارکنگ سے گاڑی نکالے۔

"میں ابھی کال سن کر آتا ہوں۔" شہوز ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا تھا۔ حمزہ نے کال سننے کے بعد بل پے کیا اور جانے کو اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیسے ہو حمزہ۔"

پیچھے سے آتی آواز پہ حمزہ کا دل چاہا کہ اتنی زور کا تھپڑ اس کے منہ پہ مارے کہ اس کی عقل ٹھکانے آجائے۔ مگر پبلک پلیس کا خیال کر کے اس نے خود کو سنبھال لیا اور وہ جانے کو بڑھا۔

"کہاں جا رہے ہیں میری بات تو سن لیں۔" وہ یکدم ہی اس کے سامنے آئی تھی۔

"میرے آگے سے ہٹو۔" اس کے لہجے میں سختی تھی۔ مگر وہ بدستور وہیں کھڑی تھی۔

"اب کیا چاہتی ہو تم۔" اس کی قدرے بلند آواز پہ اردگرد بیٹھے کتنے ہی لوگوں نے اسے مڑ کر دیکھا تھا۔

"میں تو ہمیشہ سے بس تمہیں ہی چاہتی ہوں پر تم یہ بات سمجھتے ہی نہیں ہو۔"

انتہا تھی بدتمیزی اور دیدہ دلیری کی۔

"تم نے جو گھٹیا چال چلی ہے اس میں تم کسی حد تک کامیاب ہو چکی ہو۔ اب میرے راستے میں آنا

"چھوڑو۔" حمزہ نے دبے دبے لفظوں میں اسے بہت کچھ باور کرانے کی کوشش کی تھی۔

"مگر میں کیا کروں میرا ہر راستہ تم تک ہی آتا ہے۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھونا چاہا تھا۔ وہ یکدم ہی چند قدم پیچھے ہٹا تھا۔

"بس کرو اور کتنا گراؤ گی خود کو۔ میرے دل میں دبی نفرت کو ہوا مت دو ایسا نہ ہو کہ میں یہ بھول کر کہ تم ایک لڑکی ہو ہر حد سے گزر جاؤں اور ہاں یاد رکھنا میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں نا وہ صرف اور صرف علیزے اور اس کی زندگی کے لیے کر رہا ہوں۔ اس میں تمہاری کوئی کامیابی نہیں ہے۔ میں آج بھی اس سے محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے وابستہ میرے عزیزوں کو تم جیسے گھٹیا لوگوں کی وجہ سے کوئی دکھ اٹھانا پڑے۔ اور اس بات کو اپنے دل و دماغ سے نکال دینا میں کبھی تمہیں اپنی زندگی میں شامل کروں گا۔ مجھے نفرت ہے تم سے شدید نفرت گھن آتی ہے مجھے تم سے تمہارے وجود سے تمہاری خوشبو سے آئندہ کبھی میرے سامنے مت آنا۔ ورنہ میں خود کو روک نہیں پاؤں گا اور سچ میں تمہیں شوٹ کروں گا۔"

حمزہ نے کئی دنوں سے اپنے دل میں دبی بھڑاس کو ایک پل میں نکالا تھا۔ اسے بازو سے پکڑ کر سامنے سے ہٹایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ علینہ کتنی ہی دیر وہاں کھڑی رہی تھی۔

"تم کیا جانو حمزہ میرے دل سے تمہاری محبت تو اسی دن ختم ہو گئی تھی جس دن تم نے علیزے سے نکاح کیا اب تو میرا مقصد تمہیں برباد کرنا ہے تم سے تو اپنی توہین کا بدلہ لینا ہے تم دونوں سے تمہاری خوشیاں چھیننا ہے اور اس میں، میں بہت جلد کامیاب ہونے والی ہوں۔"

وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آنے والے دنوں میں بارہا اسے فون کالز اور میسجز کے ذریعے بار بار یہ یاد دلایا گیا تھا کہ اس نے ابھی کام مکمل نہیں کیا ہے اور اسے جلد از جلد یہ کام کر لینا چاہیے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور اس کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔ وہ ایک اذیت میں مبتلا ہو گیا تھا وہ خود میں اتنی ہمت نہیں پا رہا تھا کہ وہ کچھ کر سکے۔ اس کا دل قطعی راضی نہیں تھا وہ کیسے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے دل کا خون کر دیتا بنا کسی وجہ کے کیسے زندگی برباد کر دیتا۔ مگر اسے کرنا تھا علیزے کی خاطر۔ ان گزرے دنوں میں بابا بارہا اسے کہہ چکے تھے کہ اب وہ چاہتے ہیں کہ علیزے رخصت ہو کر اس گھر میں آجائے۔ اس طرح وہ دونوں ہی اس واقعہ کو بھلا سکیں گے۔ کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ حمزہ اس واقعے کے بعد سے بہت اپ سیٹ اور الجھا الجھا سا ہے۔ مگر حمزہ ہر بار ہی انہیں ٹال دیتا تھا' خاموش ہو جاتا تھا۔

ان گزرتے دنوں میں علیزے نے ہر لمحہ' ہر پل حمزہ کا انتظار کیا تھا۔ اس ساری سچوئیشن میں اسے سب کے ساتھ ساتھ حمزہ کی بھی بہت ضرورت تھی۔ اس کے اعتبار کی ضرورت تھی۔ اس کی تسلی کا ایک لفظ ہی اسے حیات نو بخش دیتا۔ مگر وہ جانے کہاں تھا ایسا کیوں کر رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سب گھر والے اب کیا چاہ رہے ہیں مگر ایسے میں حمزہ کی خاموشی نے سب کو بہت پریشان کر دیا تھا اور اس دن احتشام انکل نے بابا کے بات کرنے پہ انہیں بتایا کہ حمزہ نہیں مان رہا وہ چاہتا ہے کہ ابھی کچھ دن رک جائیں تو وہ کتنے ہی لمحے سن سی کھڑی رہی تھی۔ تو وہی ہوا حمزہ احتشام جس کا مجھے ڈر تھا۔

تم نے مجھ پر سے اپنا اعتبار کھو دیا ایک بار مجھ سے کچھ پوچھا تو ہوتا' کچھ تو کہا ہوتا۔ کچھ تو سنا ہوتا کہ میرے اوپر کیا بیتی۔ تم تو یوں لاتعلق ہو گئے جیسے ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ حالانکہ ہمارا رشتہ اتنا کمزور تو نہیں تھا کہ وہ یوں پل میں ٹوٹ جاتا۔ ہمارے اندر تو محبت نے بہت گہری جڑیں پھیلا رکھی تھیں پھر کیوں حمزہ کیوں۔ وہ دھیرے دھیرے حمزہ پہ اپنا اعتبار' مان'

محبت کھوتی جا رہی تھی۔ اس کی خمار پلکیں سرعت سے بھیگتی جا رہی تھیں۔ کاش کہ وہ جان پاتی کہ وہ پیارا شخص اس وقت کس اذیت کا شکار ہے۔ اس کا دل کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرا ہے۔ مگر یہ کوئی نہیں جانتا تھا کوئی بھی نہیں۔

☆ ☆ ☆

"حمزہ کیا بات ہے بیٹا کھانا کیوں نہیں کھا رہے۔" بابا کافی دیر سے اس کی بے توجہی نوٹ کر رہے تھے۔

"کچھ نہیں بابا کھا رہا ہوں۔"

اسے بالکل بھوک نہیں تھی۔ وہ صرف بابا کی خاطر آ کے بیٹھا تھا اور اب پلیٹ میں ذرا سے چاول نکالے انہیں چمچے سے ادھر ادھر کرتا جانے کس سوچ میں گم تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا طبیعت تو ٹھیک ہے۔ میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں۔ تم بہت خاموش الجھے الجھے سے ہو کیا ہوا ہے مجھے نہیں بتاؤ گے۔"

بابا نے ٹیبل پہ رکھے اس کے ہاتھ پہ اپنا شفقت بھرا ہاتھ رکھا تو حمزہ کے دل کو بہت ڈھارس ہوتی تھی۔

"کچھ بھی نہیں بابا۔ مجھے کیا ہونا ہے۔ ٹھیک ہوں میں۔ آپ تو یوں ہی پریشان ہو جاتے ہیں۔"

وہ مسکرایا تھا اور اس لمحے اسے اپنی ہی مسکراہٹ اجنبی لگنے لگی تھی۔

"چلو تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔ ویسے آصفہ بھابھی بھی شکایت کر رہی تھیں کہ تم کتنے دنوں سے ان سے ملنے نہیں گئے تھے۔"

کہتے ہوئے بابا نے اس کی پلیٹ میں مزید کھانا نکالا تو وہ خواہش نہ ہونے کے باوجود کھانے لگا تھا۔

"بس ایسے ہی بابا دل نہیں کر رہا تھا اور پھر ٹائم بھی نہیں ملا۔"

چند نوالے لینے کے بعد ہی اس نے ہاتھ کھینچ لیا اور پانی کا گلاس لبوں سے لگا لیا تھا۔

"اور یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ دل کیوں نہیں کر رہا تھا میرے بیٹے کا۔" بابا نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"میرا دل نہیں کر رہا تھا تو کیا زبردستی چلا جاتا۔"

اس نے یکدم ہی زور سے پلیٹ پیچھے کرنے کے ساتھ قدرے بلند آواز میں کہا تھا۔ وہ اس وقت بے پناہ فرسٹریشن کا شکار ہو رہا تھا۔

"حمزہ ٹھیک ہو بیٹا کیا ہوا ہے۔"

"سوری بابا۔" بابا نے جس طرح اس کی بدتمیزی کو نظر انداز کیا تھا وہ بے حد شرمندہ ہوا تھا آج وہ پہلی بار بابا سے اس قدر بلند آواز میں بولا تھا۔

"اٹس اوکے بیٹا ہو جاتا ہے۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ میں شہاب کو شادی کی کیا ڈیٹ دوں وہ آس لگائے بیٹھے ہیں بیٹا۔ میں کب سے انہیں ٹال رہا ہوں۔ پہلے تو میں نے ہی جلدی مچا رکھی تھی اور اب ہم ہی لوگ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔"

بابا کے انداز سے اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس سے پوچھ نہیں رہے بلکہ بتا رہے ہیں کہ وہ جلد ہی یہ سب فائنل کریں گے اور وہ ایسا قطعی نہیں چاہتا تھا۔

"میں ابھی یہ سب نہیں چاہتا بابا۔" وہ اتنا دھیرے سے بولا تھا کہ اپنی آواز ہی بمشکل سن پایا تھا تو بابا نے کیا سنا ہو گا لیکن وہ سن چکے تھے۔

"لیکن بیٹا! پچھلے کتنے دنوں سے تم یہی کہہ رہے ہو۔ تمہاری مرضی سے ہی تو یہ سب ہوا ہے تو پھر اب انکار کیوں۔ بس میں نے کہہ دیا۔ میں کوئی قریبی ڈیٹ فکس کر رہا ہوں۔ مجھے کچھ نہیں سننا ہے اور یہ جو تم بلاوجہ اداس اداس پھرتے ہو نا پھر خوشی سے کھل جاؤ گے ٹھیک ہے۔"

وہ کھانا کھا چکے تھے۔ اس لیے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"بابا میں یہ شادی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ پلیز ایسا کچھ مت کیجیے گا۔ میں جلد ہی وکیل سے مل کر اس سارے معاملے کو ختم کر دوں گا۔"

اپنے پیچھے انہیں حمزہ کی مدھم سی فیصلہ کن آواز سنائی دی تو وہ سرعت سے پلٹے تھے۔

"کیا کہا تم نے تم ہوش میں تو ہو دماغ تو خراب

نہیں ہو گیا تمہارا۔ کیا ہوا ہے تمہیں سچ سچ بتاؤ مجھے حمزہ۔ کیا وجہ ہے اس انکار کے پیچھے۔"

بابا کا رد عمل بالکل ویسا ہی تھا جیسا حمزہ کو توقع تھی۔ وہ بہت مشکل سے اپنا غصہ کنٹرول کر رہے تھے۔

"وجہ آپ جانتے ہیں بابا۔" وہ نگاہیں جھکائے کھڑا تھا۔

جانتا تھا کہ وہ نگاہیں ملا کر کبھی بھی بابا سے اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول پائے گا۔

"کیا مطلب ہے۔" وہ چند لمحوں کو الجھے تھے۔

"او مائی گاڈ تم اس واقعے کو لے کر اتنا بڑا قدم اٹھا رہے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔ وہ سب ایک غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا۔ جب وہ سب ہوا تھا وہ آصفہ بھابھی کے ساتھ تھی اور اپنی شادی کی شاپنگ کرنے نکلی تھی اور جب وہ واپس آئی تو تم وہاں موجود تھے۔ ہم سب وہاں موجود تھے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے بیٹا جیسا تم سمجھ رہے ہو۔ وہ تمہاری بیوی ہے تمہیں اس پہ اعتبار ہونا چاہیے۔"

وہ اس کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔ جانتے تھے کہ وہ ہمیشہ کی طرح اسے سمجھا لیں گے۔

"لیکن بیچ کے چند گھنٹے جو گزرے ان میں کیا ہوا یہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا اور میں ساری زندگی اس گلٹ کے ساتھ نہیں گزار سکتا۔" یہ اس کے الفاظ تھے مگر اس پل اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ مجھے اس پہ اعتبار ہے بابا۔ خود سے بڑھ کر ہے۔ مگر میں ہار گیا ہوں۔ اس کی زندگی اس کی عزت کے آگے۔

"اپنی بکواس بند کرو۔ تمہیں شرم آنی چاہیے ایک معصوم لڑکی پہ اتنا بڑا الزام لگاتے ہوئے اور لڑکی بھی وہ جو تمہاری بیوی ہے اور جسے تم نے خود چنا ہے۔ یہی سکھایا ہے میں نے تمہیں۔ یہی تربیت کی ہے تمہاری میں نے کہ تم ایسی سوچ رکھو۔ کان کھول کر سن لو حمزہ میں تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گا اور اگر تم نے ایسا کچھ کیا یا کرنے کا سوچا بھی تو بہت برا ہو گا۔" حمزہ کی بات سن کر انہیں اس قدر دکھ نے گھیر لیا کہ وہ خود پر سے ضبط کھو بیٹھے تھے۔ انہیں حمزہ سے اس طرح کی بات کی امید نہیں تھی۔ آج سمجھ میں آیا کہ وہ اس رات اتنی خاموشی سے وہاں سے چلا کیوں آیا تھا۔

"جو بھی ہے بابا میں یہ شادی نہیں کروں گا میں کل ہی۔۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا۔ بابا کا ہاتھ اس کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے ساکت سا وہاں کھڑا رہ گیا تھا۔ کاش وہ انہیں بتا پاتا کہ میں بے قصور ہوں بابا۔ خدا گواہ ہے میں نے کبھی علیزے کی ذات پہ کوئی شک نہیں کیا کاش وہ بتا پاتا۔

"جاؤ چلے جاؤ میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔ میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ علیزے جیسی لڑکی سے تمہاری شادی ہو چلے جاؤ یہاں سے۔"

وہ تیزی سے اسے اپنے سامنے سے ہٹاتے کمرے میں چلے گئے تھے اور حمزہ اپنا بے جان وجود لیے وہیں کھڑا تھا۔

بچپن سے لے کر آج تک اسے یاد نہیں تھا کہ کبھی بھی بابا نے اس پہ ہاتھ اٹھایا ہو۔ آج پہلی بار بابا نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔ اس لمحے اس کا دل رک رک کر دھڑک رہا تھا۔ اس نے تیزی سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور باہر نکل آیا اور گیرج سے گاڑی نکالتے ہی اس نے گاڑی فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی تھی۔ بابا نے اپنے بیڈ روم کی کھڑکی سے اسے جاتا دیکھا تو پریشان ہو گئے تھے۔ وہ ان کا بہت لاڈلا بیٹا تھا اور آج انہوں نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔ وہ کتنے ہی لمحے اپنے ہاتھ کو دیکھتے رہے تھے جو اس پہ اٹھا تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک وہ کبھی اسے ڈانٹتے بھی تھے تو انہیں خود کو اتنا برا لگتا تھا۔ تکلیف ہوتی تھی کجا کہ آج انہوں نے اسے مارا۔

"کوئی وجہ تو ضرور ہو گی جو وہ اس طرح کر رہا ہے۔ ورنہ میرا حمزہ ایسا نہیں ہے۔ اس کی سوچ ایسی نہیں ہو سکتی۔ وہ تو بہت پاکیزہ سوچ کا مالک ہے اور پھر علیزے تو اس کی محبت ہے۔ پھر ایسا کیا ہوا ہے۔ یا للہ کہاں گیا ہو گا وہ۔"

وہ کتنے ہی لمحے پریشانی سے ٹہلتے رہے تھے۔ پھر

تھک کر بیٹھ گئے۔

گاڑی فل اسپیڈ سے چل رہی تھی۔ دکھ 'اذیت' تکلیف ایسے کون کون سے احساسات تھے جن سے اس وقت اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

"آپ نے ٹھیک کہا بابا میں واقعی اس قابل نہیں ہوں کہ مجھے علیزے ملتی اپنی محبت ملتی۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں بابا کہ میری محبت اس کے لیے سزا بن جائے گی اور خدا گواہ ہے بابا میں نے کبھی اس پہ کوئی شک نہیں کیا۔ وہ سب تو اسے میری خاطر ہی جھیلنا پڑا تھا۔ میں آپ کو کیسے بتاؤں بابا کہ میں آپ سب لوگوں کو رسوا نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنی خوشی کی خاطر اس کی زندگی میں کانٹے نہیں بچھا سکتا۔ آئی ایم سوری بابا۔ میں نے آپ کا دل دکھایا۔ پلیز مجھے معاف کر دیجیے۔ آئی ایم سوری علیزے میں تمہیں وہ تحفظ بھری زندگی نہیں دے سکتا جو تمہارا حق ہے۔" اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

قطرہ قطرہ پگھل رہا تھا۔

سوچتے سوچتے اس کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں ایسے لگا اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھا رہی تھی۔ اس نے تیزی سے پلکوں کو جھپکا تھا' وہ دھند پھر سے چھا رہی تھی اس لمحے ڈیش بورڈ پہ رکھا موبائل بجا تھا اور بابا کالنگ اسے دور سے ہی چمکتا نظر آ رہا تھا۔ پھر موبائل اٹھاتے ہوئے بس ایک لمحے کو اسٹیئرنگ پہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی کہ ایک دم سے گاڑی لڑکھڑائی اور ایک زوردار دھماکا ہوا تھا۔ پل کے پل میں ہی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا اور اس کا ذہن جیسے تاریکی میں ڈوب گیا تھا اور بس ایک احساس اس کے پورے وجود پہ حاوی تھا۔ شدید تکلیف کا احساس۔۔۔

☼ ☼ ☼

بابا کتنی ہی دیر سے حمزہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کا فون بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھے۔ یوں ہی بیٹھے جانے کتنی ہی دیر بیتی تھی۔

ان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"بڑے صاحب آپ کا فون ہے۔" ملازم نے کارڈلیس لا کر انہیں تھمایا تھا۔

"ہیلو۔" جانے کیوں دل کی دھڑکن معمول سے کہیں زیادہ تھی۔

"کیا۔ کب۔۔۔ وہ ٹھیک تو ہے۔" دوسری طرف کی بات سن کر وہ ایکدم ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جہاں سے انہیں بتایا جا رہا تھا کہ حمزہ کا بہت خطرناک اور شدید ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور اس کی حالت بہت سیریس ہے۔ اس کی گاڑی ایک ٹرالر کی زد میں آ کر بری طرح کچلی گئی تھی۔ وہ بدحواس سے فون وہیں پھینک کر باہر بھاگے تھے۔

"کیا ہوا ہے بڑے صاحب' کچھ بتائیں تو سہی۔" بوا فوراً" ہی ان کے پیچھے بھاگی تھیں۔

"کچھ نہیں ہو گا دعا کریں بوا کچھ نہ ہو۔"

جانے کیسے وہ بوا کو آدھی ادھوری بات بتا کر باہر کی جانب بھاگے تھے۔ ان کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ گاڑی میں بیٹھ کر ہی انہوں نے پہلے شہوز کو اور پھر شہاب زیدی کو فون کیا تھا۔

"کیا۔" کچن میں بابا اور معاذ کے لیے چائے بناتی علیزے کے ہاتھ سے کپ ایک چھناکے سے گر کر ٹوٹا تھا۔

"یہ کیا ہو گیا یا اللہ سب ٹھیک کرنا وہ خیریت سے ہوں۔"

وہ کتنی ہی دیر کچن سلیب سے ٹیک لگائے خود پہ قابو پانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

"ڈرائیور پلیز تیز چلو۔" جانے کتنی بار وہ ڈرائیور سے یہی بات کہہ چکے تھے۔ لیکن فاصلہ تھا کہ کٹ ہی نہیں رہا تھا اور جب اسپتال کے سامنے گاڑی رکی تو وہ جتنی تیزی سے چل سکتے تھے اتنی تیزی سے اندر پہنچے تھے۔ شہوز ان سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا کچھ پتا چلا۔" وہ فوراً" ہی اس کے پاس آئے تھے۔

"نہیں انکل ابھی کچھ پتا نہیں ہے وہ آپریشن تھیٹر

میں ہے۔ بہت زیادہ انجرڈ ہے آپ حوصلہ رکھیں انکل سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاءاللہ۔" شہوز نے انہیں بتانے کے ساتھ انہیں تسلی بھی دی تھی۔ وہ ایک طرف رکھی چیئرز میں سے ایک پہ بیٹھ گئے تھے۔ ابھی سے جیسے ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

"یا اللہ اسے کچھ نہ ہو اسے میری زندگی بھی دے دے میرے مالک۔"

وہ نڈھال سے سر دیوار سے لگائے بیٹھے تھے جبھی سامنے سے شہاب زیدی آتے دکھائی دیئے۔ ماما، معاذ اور علیزے بھی ان کے ساتھ تھے۔

"شہاب، میرا حمزہ۔" شہاب زیدی نے ان کے پاس بیٹھ کر جب ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ اپنا ضبط کھو بیٹھے تھے۔

"حوصلہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟"

دل تو ان کا بھی بہت پریشان تھا لیکن اس وقت انہیں تسلی دینا زیادہ ضروری تھا۔

"ابھی کچھ پتا نہیں ہے دعا کرو شہاب میرا بیٹا ٹھیک ہو جائے۔ اگر اسے کچھ ہوا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کرپاؤں گا۔ آج میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اتنا ڈانٹا یہاں تک کہ اس پہ ہاتھ بھی اٹھالیا۔ کتنی خاموشی سے اس نے مجھے دیکھا تھا اور پھر اور پھر۔ یہ سب ہو گیا۔" انکل کی بات سن کر علیزے چور سی بن گئی تھی۔

جانے کیوں اس پل اسے لگا کہ شاید اس سب کی ذمہ دار کہیں نہ کہیں اس پہ عائد ہوتی ہے۔ ساری بھاگ دوڑ شہوز اور معاذ ہی کر رہے تھے۔ وہ تو نڈھال سے بیٹھے۔ ماما کوریڈور کے ایک کونے میں جائے نماز بچھائے سربسجود تھیں۔ علیزے خاموشی سے سر جھکائے بابا کے برابر والی چیئر پہ بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے قطار در قطار آنسو مسلسل گر رہے تھے اور اس کے دوپٹے میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی لب مسلسل ہل رہے تھے۔ دھڑکنوں کی بس ایک ہی دعا تھی اس کی سلامتی کی۔ اسی کیفیت میں کتنے ہی گھنٹے گزرے تھے کچھ خبر نہیں تھی کہ اندر آپریشن تھیٹر میں وہ کس حال میں ہے۔ جبھی آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ان سب کے ہی دل لرز رہے تھے۔

"کیا ہوا ڈاکٹر کیسا ہے میرا بیٹا۔" سب سے پہلے بابا ہی ان کی طرف بڑھے۔

"ابھی اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔ دراصل اس کے سر میں گہری چوٹ لگی ہے اور بیک بون بھی اس حادثے میں شدید متاثر ہوئی ہے۔ ایک بازو بھی فریکچر ہے۔ اگلے اڑتالیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ ہم اسے ICU میں شفٹ کر رہے ہیں اور جب تک اسے ہوش نہیں آجاتا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ لوگ دعا کریں۔ دعا میں بہت طاقت ہوتی ہے۔" ڈاکٹر نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی تھی۔

"ہم اسے دیکھ سکتے ہیں ڈاکٹر۔" شہوز نے بڑھ کر ان سے پوچھا تھا۔

"نہیں ابھی نہیں کچھ دیر انتظار کریں۔ ابھی ہم انہیں ICU میں شفٹ کریں گے پھر آپ انہیں صرف باہر سے دیکھ سکتے ہیں لیکن مل نہیں سکتے۔ دراصل حادثہ بہت شدید تھا۔ اس میں اس کا بچ جانا ہی معجزہ ہے۔ ان شاءاللہ آگے بھی اللہ کرم کرے گا۔"

ڈاکٹر انہیں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔ ان سب کے دل اس وقت بہت تیز دھڑک رہے تھے اور لبوں پہ بس ایک ہی دعا تھی کہ یا خدا اسے کچھ نہ ہو۔ اسے نئی زندگی بخش دے میرے مالک اور بے شک وہ دعائیں سننے والا غفور و رحیم ہے۔

☆ ☆ ☆

اڑتالیس گھنٹوں کا وہ جان لیوا انتظار۔۔۔ سب کی جان جیسے سولی پہ ٹنگی تھی۔ مسلسل اڑتالیس گھنٹوں سے وہ سب وہاں ہی موجود تھے۔ ایک لمحے کے لیے بھی کوئی وہاں سے نہیں ہلا تھا۔ ایک ایک لمحہ سب پہ بھاری تھا۔ ICU کے گلاس ڈور سے باری باری سب

ہی اسے دیکھ آئے تھے اس کا پورا جسم سفید پٹیوں، تاروں اور ڈریس میں جکڑا تھا۔ بنا کوئی حرکت کیے بس وہ صرف سانس لے رہا تھا۔ اس کی زندگی سے بھرپور آنکھیں بند تھیں چہرے پہ زردی سی کھنڈی تھی۔ ہونٹ سفید پڑ گئے تھے۔ علیزے سے اس دلربا شخص کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ بس ایک نظر ہی اسے دیکھ سکی تھی۔ اسے لگا کہ وہ اگر مزید چند منٹ بھی اور یہاں کھڑی رہی تو گر پڑے گی۔

وہ وہاں سے ہٹ کر ماما کے پاس آبیٹھی تھی۔ جو مسلسل اس کی زندگی اور صحت کے لیے دعا گو تھیں کچھ ہی عرصے میں وہ ان سب کو بہت زیادہ عزیز ہو گیا تھا۔ شہوز وہیں سر تھامے بیٹھا تھا کبھی احتشام انکل کو تسلی دیتا اور کبھی خود کو۔ حمزہ اس کے بچپن کا بہت پیارا اور عزیز دوست تھا اور اس کی پریشانی سے بھی ایک وہی تو واقف تھا اور شہوز کو کچھ کچھ اندازہ تھا کہ یہ ایکسیڈنٹ اسی ٹینشن کے باعث ہوا ہے۔ پھر ٹھیک اکاون گھنٹوں بعد ڈاکٹر نے آکر انہیں یہ خوشخبری دی تھی کہ اب وہ خطرے سے باہر ہے تو وہ کھل اٹھے تھے۔ لیکن وہ ہنوز بے ہوش تھا۔ اور ڈاکٹر کا خیال تھا کہ ایسی سیریس کنڈیشن کے بعد یہ بے ہوشی لازمی ہے۔

"ان شاء اللہ جلد ہی ہوش آجائے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں اور ہاں اگر آپ لوگ چاہیں تو انہیں اندر جا کے دیکھ سکتے ہیں لیکن یاد رہے ایک وقت میں ایک ہی آدمی اندر جائے اور بنا کوئی شور کیے واپس آجائیں۔" ڈاکٹر کی اجازت ملتے ہی بابا اس کے پاس چلے آئے تھے۔

"حمزہ میری جان" وہ پٹیوں میں جکڑے اس کے ماتھے پہ سر رکھ کر سسک اٹھے تھے۔

"مجھے معاف کر دو بیٹا۔ میں تمہاری پریشانی سمجھ ہی نہیں سکا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بچپن سے لے کر آج تک تم میری پریشانی کے خیال سے اپنی پریشانی، پرابلم مجھ سے شیئر کرنے سے کتراتے ہو اور آج میں یہ بات بھول گیا اور تم پہ ہاتھ اٹھالیا۔ آئی ایم سوری بیٹا جانے کیسے میں یہ بات بھول گیا۔ بس اب جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ میں بہت پریشان ہو گیا ہوں اور دیکھو تو سب تمہارے لیے کتنے فکر مند ہیں۔"

وہ کتنے ہی لمحے اس کے سرہانے بیٹھے اس سے بے آواز باتیں کرتے رہے تھے اور پھر ان کے باہر آنے کے بعد سب نے ہی باری باری جا کر اسے دیکھا تھا۔ سوائے علیزے کے۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹرز کی مسلسل کوشش اور سب کی دعاؤں سے اس نے پانچویں روز مکمل طور پر آنکھیں کھول دی تھیں۔ سب نے اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ ورنہ ڈاکٹرز کو خدشہ تھا کہ کہیں اس کی یہ طویل بے ہوشی کوما کی صورت نہ اختیار کر لے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہ طویل بے ہوشی کسی شدید ذہنی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ مگر اب خطرہ مکمل طور پر ٹل چکا تھا۔ آنکھیں کھولتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے جس چہرے پہ پڑی وہ بابا کا چہرہ تھا۔ طمانیت سے مسکراتا ہوا۔ اپنی طرف دیکھتا پاکر بابا فوراً ہی اس کی طرف آئے تھے اور اس کے قریب ہی بیٹھ گئے تھے۔

"اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو نے میرے بیٹے کو نئی زندگی بخش دی۔ کیسے ہو میری جان۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی چومی تھی۔ اس نے ہولے سے سر ہلایا تھا۔ کتنے ہی لمحے وہ سب کو دیکھتا رہا تھا۔ مگر وہ ایک چہرہ جسے وہ دیکھنا چاہتا تھا وہ کہیں نہیں تھا ہر بار اس کی نگاہیں مایوس ہی لوٹ آئی تھیں۔ وجود میں تکلیف کا احساس اچانک ہی بڑھ گیا تھا تو اس نے مایوس ہو کر بابا کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔ علیزے نے دن رات اس کی سلامتی کی دعائیں مانگی تھیں۔ وہ سارا وقت یہیں موجود رہی تھی۔ مگر اب جیسے ہی اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ خاموشی سے باہر نکل آئی تھی۔ کیونکہ کہیں نہ کہیں وہ خود کو اس حادثے کا ذمہ دار سمجھتی تھی۔ کیونکہ پچھلے دنوں حمزہ کا رویہ اسے یہی باور کرا رہا تھا لیکن کاش کہ وہ جان پاتی کہ حمزہ کتنی شدت سے اس کا منتظر ہے تو وہ

کبھی اس سے دور جانے کا فیصلہ نہ کرتی۔ سب ہی اپنے طور پہ اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔

بابا ہر لمحہ سائے کی طرح اس کے ساتھ تھے۔ آفس کا سارا کام شہوز نے ہی سنبھال رکھا تھا پھر بھی وہ دن میں کئی چکر لگاتا تھا۔ صبح بوا کے آجانے سے بابا تھوڑی دیر کو آفس ہو آئے تھے اور پھر باقی کا تمام وقت وہ حمزہ کے ساتھ ہی گزارتے تھے۔ شہاب انکل اور ماما شام کو روز ہی اس کے پاس آتے تھے۔ رات کا کھانا بھی وہی اپنے ساتھ لاتی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ حمزہ کو ان کے ہاتھ کا بنا کھانا کس قدر پسند ہے۔ معاذ بھی آفس سے واپسی پہ سیدھا اس کے پاس ہی آتا تھا۔ ان میں سے کسی نے ابھی علیزے سے علیحدگی والی بات کو لے کر اس سے ذرا بھی سرد مہری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ بس صرف علیزے اس دن کے بعد سے دوبارا نہیں آئی تھی اور حمزہ کی آنکھیں ہمہ وقت اس کی منتظر تھیں مگر وہ اسے کسی حد تک حق بجانب بھی سمجھتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"علینہ کدھر ہو یار، نظر ہی نہیں آتی ہو۔"

جاذب بنا ناک کیے ہی اس کے کمرے میں آگیا تھا۔ وہ بیڈ پہ نیم دراز ٹی وی دیکھنے میں مگن تھی۔ اس کی اتنی بے تکلفی پہ خاصی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے کسی کے کمرے میں آنے کا؟ دروازہ ناک نہیں کر سکتے تھے۔"

وہ فوراً" ہی اپنی ناگواری کا اظہار کر دیا کرتی تھی۔ سو اب بھی یہی کیا تھا۔

"سو واٹ یار کیا فرق پڑتا ہے تمہیں ایک نیوز دینی تھی۔" جاذب نے اس کی بات کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔

"کیا۔" وہ ریموٹ سے ٹی وی آف کرتی اٹھ بیٹھی تھی۔ بلیک ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ میں خاصی جاذب نظر لگ رہی تھی۔

"حمزہ کا بہت سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ سنا ہے اسے بہت چوٹیں آئی ہیں۔"

جاذب نے سامنے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اسے بتایا تھا۔ علیزے والے واقعے کے بعد وہ ہمہ وقت حمزہ پہ چیک رکھتا تھا اور اسے یہ اطلاع کل ہی ملی تھی لیکن وہ اپنی مصروفیت میں اسے بتانا بھول گیا تھا۔ اب یاد آیا تو اسے بتانے چلا آیا۔

"تو میں کیا کروں۔" علینہ نے لاپروائی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"کیا مطلب۔ اسے دیکھنے جاؤ بھئی۔ آخر کو تم اس سے محبت کرتی ہو اتنا کچھ کیا ہے تم نے اس کے لیے۔" جاذب نے جیسے اسے یاد دلایا تھا۔

"محبت مائی فٹ! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ آج تک علینہ وقار نے اپنے علاوہ کسی سے محبت نہیں کی ہے۔ ہاں ایک وقت میں اس سے دوستی ضرور کرنی چاہی تھی۔ مگر اب وہ میرے دل سے اتر چکا ہے اور ویسے بھی اب یہ ٹوٹا پھوٹا حمزہ اس علیزے کو ہی مبارک ہو۔ مجھے اس کی نرسنگ کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اور تم اچھی طرح جانتے ہو۔ جیسے میں علینہ وقار خود بالکل پرفیکٹ ہوں ایسے ہی مجھے اپنی سب چیزوں میں مکمل perfection چاہیے ہوتی ہے۔ چاہے وہ کوئی انسان ہی کیوں نہ ہو۔"

وہ اپنی ازلی خود پسندی سے بولی تھی۔ اس وقت وہ بھول چکی تھی کہ مکمل صرف خدا کی ذات ہوتی ہے اور کچھ نہیں اور وہ چاہے تو پل میں سب بدل دے۔ بس اس کے ایک کن کہنے کی دیر ہوتی ہے۔

"لیکن ہو نہ ہو اس سارے قصے کی ذمہ داری کہیں نہ کہیں ہم پہ بھی عائد ہوتی ہے۔"

جاذب ذرا ڈرا ہوا تھا کہ اگر حمزہ کو کچھ ہو گیا تو ان کا نام بھی آسکتا ہے اور وہ لوگ ایسے معمولی بھی نہیں تھے۔

"تو اب کیا کریں۔ پاؤں پڑ جائیں جا کے اس کے بھول جاؤ جو ہوا۔ ویسے میں اگلے ہفتے ماما پاپا کے پاس سڈنی جا رہی ہوں۔" وہ لاپروائی سے کہتی اپنے موبائل پہ بزی ہو چکی تھی۔

"تم چلو گے میرے ساتھ" علینہ نے ایک دم ہی

اس سے پوچھا تھا۔

وہ چند لمحوں کو اس کی خوشنما آنکھوں میں ڈوب گیا تھا۔

"تمہارے ساتھ تو میں کہیں بھی جانے کو تیار ہوں۔ پھر یہ تو حسین شہر سڈنی ہے۔ ضرور چلوں گا۔"

جاذب کو اور کیا چاہیے تھا حسین کمپنی کے ساتھ حسین ملک کی سیر۔

"لیکن ابھی تو تم ایسا کرو تیار ہو جاؤ۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔

"کیوں کہاں جانا ہے۔ میرا بالکل بھی موڈ نہیں ہے کہیں جانے کا۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی تھی۔

"کہیں نہیں جانا ہے۔ دراصل میں نے اپنے فرینڈز کو گھر بلایا ہے۔ ماما پاپا بھی نہیں ہیں۔ اچھا موقع ہے ذرا فن رہے گا۔ انجوائے کریں گے۔ تو تم بھی ہمیں جوائن کرلو۔"

وہ اس کے پیچھے ہی آکھڑا ہوا تھا اور اب بہت غور سے شیشے میں نظر آتے اس کے سراپے کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نہیں آرہی تمہارے دوستوں کے ساتھ۔ بہت عجیب سے لگتے ہیں مجھے تمہارے سارے دوست۔" وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

"ارے کیوں بھئی۔ وہ سب تمہیں اتنا پسند کرتے ہیں اور تم ان کے لیے ایسے کہہ رہی ہو۔ میں کچھ نہیں سنوں گا پلیز میری خاطر۔" جاذب نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر ریکویسٹ کی تھی۔

"اوکے بابا ٹھیک ہے تم جاؤ میں تیار ہو کے آتی ہوں۔"

وہ جاذب کے بارے میں کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی۔ اس لیے اس کی بات خلاف توقع جلدی مان لی تھی۔ وہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تو جاذب چند لمحے وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا تھا۔ پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

"بس کریں ماما۔ مجھ سے اب اور نہیں پیا جا رہا۔" حمزہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے سوپ کا باؤل ہاتھ سے دور ہٹایا تھا۔

"توبہ حمزہ کتنے نخرے کرتے ہو تم۔ بالکل بچوں کی طرح ابھی تم نے یہ پورا ختم کرنا ہے پیو شاباش۔"

ماما نے اسے بالکل بچوں کی طرح ہی چمکارا اور اسے پھر سے سوپ پلانا چاہا۔

"بالکل نہیں ماما اور نہیں پلیز۔" اسے بچپن سے ہی یہ سوپ جیسی چیزیں بالکل پسند نہیں تھیں مگر آج جب ماما نے بتایا کہ یہ سوپ علیزے نے بنایا ہے تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی کافی سارا پی گیا تھا اور ماما ابھی اسے مزید پلانے پہ مصر تھیں۔ بابا اور شہاب انکل وہیں دروازے کے پاس رکھے صوفے پہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور شہوز اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔

"شہوز یہ پھول تم لائے تھے" حمزہ نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے پھولوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہاں کیوں اچھے نہیں لگے۔" شہوز نے سرسری سا بتایا تھا۔

"نہیں بہت اچھے ہیں ایسے ہی پوچھا تھا۔" شہوز کے کہنے پہ وہ کچھ کہتے کہتے رکا تھا۔ اگر یہ پھول شہوز لایا تھا تو ان پھولوں کی خوشبو اتنی جانی پہچانی سی کیوں تھی۔ آج اس کا بہت دل چاہا کہ وہ ایک بار ماما سے پوچھے کہ ماما' علیزے کیوں نہیں آئی۔ لیکن پھر وہ خاموش ہو گیا یہ سوچ کر کہ جانے ماما کیا خیال کریں کہ تم کون سا اس کے پاس روز آتے تھے جب اسے تمہاری سب سے زیادہ ضرورت تھی جو وہ آتی حالانکہ وہ جانتا تھا کہ ماما ایسا کچھ نہیں ہیں گی مگر پھر بھی وہ نہیں کہہ پایا۔

"فیلو ینگ مین کیا حال ہیں؟" شہوز اسے دوا دینے کے بعد آرام سے لیٹنے میں مدد دے رہا تھا کیونکہ کمر کی تکلیف کی وجہ سے اس سے زیادہ دیر بیٹھا نہیں جاتا تھا۔ تبھی ڈاکٹر راؤنڈ پہ چلے آئے تھے۔

"ٹھیک ہوں ڈاکٹر" وہ دھیمے سے مسکرایا وہ اس کا چیک اپ کرنے لگے۔

"ڈاکٹر میں گھر جانا چاہتا ہوں۔" ایک ہفتے سے وہ

اسپتال میں رہتے رہتے تنگ آگیا تھا۔

"ابھی نہیں بیٹا۔ ابھی چند دن اور آپ کو یہاں رہنا پڑے گا۔ کچھ ٹیسٹ ہونے ہیں ان کی رپورٹس آنے تک پھر آپ گھر جا سکیں گے۔" ڈاکٹر نے اپنا اسٹیتھسکوپ گلے میں لٹکاتے ہوئے اسے کہا تھا۔ اور اس کا چارٹ اٹھا کر دیکھنے لگے تھے۔

"احتشام صاحب پلیز آپ میرے آفس میں آئے گا۔"

جاتے جاتے وہ بابا سے کہہ گئے تو وہ ان کے پیچھے ہی چلے گئے تھے۔

"جی ڈاکٹر آپ نے بلایا تھا۔"

"جی پلیز بیٹھیں۔" ڈاکٹر کے کہنے پہ وہ ان کے سامنے رکھی چیئر پہ بیٹھ گئے تھے۔

"دراصل بات یہ ہے احتشام صاحب کہ میں حمزہ کی کنڈیشن سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوں۔"

ڈاکٹر نے پین بند کر کے فائل پہ رکھا اور مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"کیا مطلب ڈاکٹر سب ٹھیک تو ہے نا۔" وہ ایک دم ہی پریشان ہوئے تھے۔

"ہاں باقی تو سب ٹھیک ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے سر کا زخم بھی تیزی سے بھر رہا ہے اور پلاسٹر بھی ایک ہفتے بعد اتر جائے گا۔ مگر اصل چیز ہے اس کی بیک بون جو اس حادثے میں شدید متاثر ہوئی ہے اول تو اس کی گاڑی جس بری طرح کچلی گئی ہے اس میں اس کی جان بچ جانا ہی معجزہ ہے۔ کیونکہ گاڑی کی وہی سائیڈ زیادہ ڈیمیج ہوئی جہاں ڈرائیونگ سیٹ پہ وہ تھا۔ اس لیے وہ اس قدر انجرڈ تھا اور اسی لیے اس کی بیک بون بھی متاثر ہوئی۔"

"تو اب کیا کرنا ہوگا ڈاکٹر۔" ڈاکٹر کی اس قدر تمہید سے وہ گھبرا گئے تھے۔

"میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ جلد از جلد اس کا آپریشن کروائیں۔ ورنہ خدانخواستہ کوئی پرابلم بھی ہو سکتی ہے اور تکلیف بڑھ بھی سکتی ہے۔" ڈاکٹر نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تھا۔

"ہاں وہ بھی تکلیف کی شکایت کر رہا تھا تو ڈاکٹر آپ علاج شروع کیجیے نا۔ وہ ٹھیک تو ہو جائے گا نا۔" بابا کا دل ابھی سے دہل گیا تھا یہ سوچ کر کہ جانے کیا ہوگا۔

"مکمل علاج سے وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا لیکن احتشام صاحب یہاں کسی بھی ادارے میں ایسے آپریشن بہت رسکی ہوتے ہیں اور میں آپ کو یہ رسک لینے کا مشورہ قطعی نہیں دوں گا۔ بہتر یہی ہوگا کہ آپ حمزہ کو علاج کے لیے بیرون ملک بھیج دیں۔ اگر آپ چاہیں تو سنگاپور میں ہمارے اسپتال کی برانچ ہے اور وہاں کئی ایسے کیسز کامیابی سے ہینڈل کیے گئے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں کل ہی اس کی ساری رپورٹس وہاں بھیج دیتا ہوں۔"

ڈاکٹر کا خلوص دل سے دیا گیا مشورہ انہیں بھی اچھا لگا تھا۔ انہیں بھی بس حمزہ کی سلامتی چاہیے تھی۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر۔ آپ اس کی تمام رپورٹس وہاں بھیج دیجیے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں بس وہ جلد از جلد ٹھیک ہو جائے۔" بابا نے فوراً ہی کہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ بے فکر ہو جائیں۔ ان شاء اللہ وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ کل ہم اس کے کچھ اور ٹیسٹ کے بعد اس کی تمام رپورٹس وہاں بھیج دیں گے اور پھر جو جواب ملا میں آپ کو بتا دوں گا آپ پریشان نہ ہوں۔" ڈاکٹر اس کی ینگ ایج کو دیکھتے ہوئے کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھے۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے ان کے دل کا بوجھ قدرے ہلکا کر دیا۔ وہ شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلے آئے تھے۔

☆ ☆ ☆

آج بھی روز کی طرح بابا ہی اس کے پاس تھے اور اب سب کے جانے کے بعد اس کے پاس آ بیٹھے تھے۔

"بابا علیزے آج بھی نہیں آئی ہے۔" وہ جانے کون سی بات کر رہے تھے اور وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ ایک دم اس کے پوچھنے پہ بابا خاموش ہو کے اسے

دیکھنے لگے تھے۔
"ہاں بیٹا۔" اب وہ اور کیا کہتے۔
"وہ مجھ سے بہت ناراض ہے پاپا۔" وہ اب بھی صرف اسے ہی سوچ رہا تھا۔
"نہیں بیٹا ناراض کیوں ہوگی مصروف ہوگی ورنہ پہلے تو جب تم بے ہوش تھے وہ سارا وقت یہیں رہتی تھی۔" جانے کیوں پاپا نے اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا اب اس کو یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ جب تم اسے چھوڑنے کا سوچے بیٹھے ہو تو وہ کیونکر آئے گی۔
"حمزہ' بیٹے ایک بات پوچھوں۔" پاپا کو ایک دم اچانک ہی کوئی خیال آیا تھا۔ اس نے اثبات میں سرہلایا۔
"تم اسے کیوں چھوڑنا چاہتے تھے۔ میں جانتا ہوں وجہ وہ نہیں جو تم نے مجھے بتائی تھی۔ وجہ کچھ اور ہے اور وہ وجہ کیا ہے بیٹا میں جاننا چاہتا ہوں۔ ایسا کیا ہوگیا ہے میری جان کیا اپنے پاپا کو بھی نہیں بتاؤ گے۔" پاپا نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ پھر اس رات اس نے پاپا کے سینے پہ سر رکھ کر انہیں وہ ہر بات بتادی تھی جو اس علیحدگی کا سبب بنی تھی۔ وہ سب بتادیا تھا۔ جو وہ آج تک ان سے چھپاتا آیا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔
"حمزہ' تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی بیٹا۔ اکیلے ہی اتنی پریشانی سہہ لی اور ایک لفظ بھی نہیں کہا۔" پاپا نے پوری بات سننے کے بعد کہا تھا۔
"پاپا' میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ بات اتنی بڑھ جائے گی۔ میں نے سوچا تھا کہ یونیورسٹی ختم ہونے کے بعد سب خودبخود ہی سیٹ ہوجائے گا۔ لیکن بات ختم ہونے کے بجائے بات بڑھتی گئی اور یہاں تک آن پہنچی۔" حمزہ کے دل پہ کب سے دھرا بوجھ آج اتر گیا تھا۔
"اور تم اسی ٹینشن میں اس دن گھر سے نکلے تھے نا۔" پاپا کا اشارہ اس کے ایکسیڈنٹ والی رات کی طرف تھا۔ وہ دھیرے سے سرہلا گیا تھا۔
"اور مجھے دیکھو ذرا میں سمجھ ہی نہیں پایا کہ کچھ تو ایسا ہوگا جس کی وجہ سے تم اتنا بڑا قدم اٹھانے جارہے ہو اور میں نے تمہیں ہی الزام دیا۔ تم پہ ہاتھ اٹھایا۔ آئی ایم سوری بیٹا۔"
وہ خود کو موردالزام ٹھہرا رہے تھے۔
"نہیں پلیز پاپا ایسا نہ کہیں۔ غلطی میری ہے مجھے پہلے ہی آپ کو سب کچھ بتادینا چاہیے تھا۔ حالانکہ شہوز نے مجھ سے کئی بار آپ کو بتانے کو کہا تھا مگر جانے کیوں میں آپ کو بتا ہی نہیں پایا۔ لیکن خدا گواہ ہے پاپا۔ میں نے کبھی علیزے پہ کسی قسم کا شک نہیں کیا۔ وہ میرے لیے آج بھی ویسی ہے۔ ویسی ہی خاص بس میں ڈر گیا تھا کہ میرا ساتھ کہیں اسے رسوا نہ کردے۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے' بس اس دن مجھ سے ماما اور انکل کی حالت دیکھی نہیں گئی اور علیزے وہ کس قدر سہم گئی تھی۔ اسی لیے میں نے یہ سوچا اور یہ فیصلہ میں نے کس دل سے کیا تھا یہ صرف میں جانتا ہوں پاپا۔"
وہ دھیرے دھیرے اپنے دل کی تمام باتیں ہمیشہ کی طرح ان سے شیئر کررہا تھا۔
"میں سمجھ سکتا ہوں بیٹا تم کس اذیت سے گزرے ہوگے۔ لیکن اب تم بالکل فکر مت کرو۔ میں اب سب سنبھال لوں گا۔ دیکھتا ہوں کیا کرتے ہیں وہ لوگ بس تم خوش رہو اور اب ایسی کوئی احمقانہ سوچ اپنے ذہن میں مت لانا۔ بس اب تم جلدی سے ٹھیک ہوجاؤ۔"
پاپا نے محبت سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اسے تسلی دی تھی۔ وہ ہلکا پھلکا سا ہوکر مسکرا دیا تھا۔
"میں جانتا ہوں پاپا' آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کچھ نہیں ہوسکتا۔ آئی لو یو پاپا۔"
اس کی نگاہوں میں پاپا کے لیے پیار ہی پیار تھا۔
"آئی لو یو ٹو میری جان۔ بس اب تم بے فکر ہوکر سوجاؤ اور ہاں اس گدھے شہوز کے تو میں صبح کان کھینچتا ہوں۔ تمہارے کہنے پہ وہ ہمیشہ مجھ سے سب باتیں چھپاجاتا ہے۔" وہ قدرے خفگی سے بولے تھے۔

"نہیں بابا وہ بہت اچھا ہے اسے میں نے ہی منع کر دیا تھا۔" وہ دوست کی طرف داری کر رہا تھا۔

"جانتا ہوں چلو اب تم سو جاؤ۔ میں یہیں ہوں تمہارے پاس۔"

بابا کے کہنے پہ اس نے سکون سے آنکھیں موند لی تھیں۔ وہ کتنے ہی لمحے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے رہے تھے۔ جب تک وہ پر سکون گہری نیند نہیں سو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حمزہ دوا کے زیر اثر سو رہا تھا ابھی نرس نے اسے انجکشن دیا تھا۔ امید تھی کہ آج اسے ڈسچارج کر دیا جائے گا۔ ڈاکٹرز کی سنگاپور برانچ میں مکمل بات چیت ہو چکی تھی اور ایک ماہ بعد اس کا آپریشن تھا اور یہ ایک ماہ اسے مکمل طور پر صرف ریسٹ کرنا تھا۔ اسے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ نہ وہ زیادہ دیر بیٹھ سکتا تھا نہ زیادہ تیز چل سکتا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ میں آپ کو ایک شرط پہ گھر جانے کی اجازت دے سکتا ہوں کہ اگر آپ وعدہ کریں کہ مکمل ریسٹ کریں گے ورنہ خدانخواستہ تکلیف بڑھ بھی سکتی ہے اور پھر انشاء اللہ ایک ماہ بعد آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے اور پہلے کی طرح سب کچھ کر سکیں گے اور حمزہ نے چپ چاپ ان کی سب ہدایتوں کے جواب میں سر ہلا دیا تھا کیونکہ پچھلے بیس روز سے وہ اسپتال میں رہتے رہتے بیزار ہو چکا تھا اور اب بس گھر جانا چاہتا تھا۔

شہوز اس کے پاس ہی بیٹھا تھا بابا اسی سلسلے میں ڈاکٹر سے بات کرنے گئے تھے۔ جب ہی شہوز کے موبائل پہ کال آئی تو میگزین کی ورق گردانی کرتا شہوز، حمزہ کی ڈسٹربنس کے خیال سے وہ فون سننے کمرے سے باہر چلا آیا تھا۔ چند سیکنڈز موبائل پہ مصروف رہنے کے بعد وہ پلٹا تو سامنے سے آتی علینہ وقار کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس کی اتنی ہمت کہ یہ یہاں آن پہنچی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ حمزہ کے روم تک پہنچتی وہ تیزی سے اس کے سامنے آیا تھا۔

"یہاں کیوں آئی ہو تم اب کیا باقی رہ گیا ہے۔"

وہ سر جھکائے خاموشی سے چلتی نجانے کس سوچ میں تھی۔ شہوز کی آواز پہ حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔ شہوز نے پہلی دفعہ اسے شلوار قمیص میں ملبوس دیکھا تھا۔

"وہ مجھے حمزہ سے ملنا ہے۔" اس قدر نرمی، یہ علینہ وقار تو ہرگز نہ تھی۔

"کیوں اب ایسی کونسی تکلیف ہے جو اسے دینا باقی ہے۔ تمہیں ذرا احساس نہیں ہے۔ کیسی لڑکی ہو تم؟ آج وہ اس حال کو پہنچا ہے تو صرف تمہاری وجہ سے۔ یہ بھی خدشہ ہے کہ کہیں خدانخواستہ ساری عمر کی معذوری اس کا مقدر نہ بن جائے اور ان تمام باتوں کی ذمہ دار صرف تم ہو اور پھر بھی تم کس قدر ڈھٹائی سے یہاں چلی آئی ہو۔ محبت تو محبوب کی خوشی مانگتی ہے۔ علینہ تمہاری یہ کیسی محبت ہے کہ تم نے اسے بے بس اور اذیت میں دھکیل دیا۔ میں تمہیں اس سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتا تم چلی جاؤ یہاں سے۔" شہوز نے کتنے دنوں کی بھڑاس نکالی تھی۔

وہ سر جھکائے خاموشی سے سن رہی تھی۔ شہوز کو لگا وہ رو رہی ہے۔

"آئی ایم ویری سوری شہوز پلیز ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ میں جانتی ہوں۔ میں نے بہت غلط کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پلیز تم حمزہ سے کہنا مجھے معاف کر دے اور علیزے سے بھی۔"

علینہ وقار اور اپنی غلطی اتنی آسانی سے تسلیم کر رہی ہے شہوز حیران تھا۔ کہیں یہ بھی اس کی کوئی چال تو نہیں۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"پلیز آپ یہ حمزہ کو دے دینا۔ دے دو گے نا۔" وہ ایک لفافہ اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔ جانے کیا سوچ کر وہ شہوز نے تھام لیا تھا اور پھر بنا کچھ کہے پلٹی اور چلی گئی تھی۔ شہوز اس کے رویے کے بارے میں سوچتے ہوئے اندر روم میں چلا آیا تھا جہاں حمزہ ابھی تک سو رہا تھا۔ پھر حمزہ کے گھر آنے تک اسے موقع ہی

نہیں ملا کہ وہ، وہ لفافہ حمزہ کو دے پاتا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی بوا نے اس کا صدقہ اتارا تھا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ اپنے گھر میں قدم رکھ رہا تھا۔ اسے ہر چیز بہت نئی نئی لگ رہی تھی۔ شہوز کے سہارے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ بابا بھی اس کے ساتھ تھے۔ ملا کا فون آیا تھا وہ ابھی تھوڑی دیر تک آرہی تھیں۔ اتنا سا چلنے سے ہی اس کی کمر میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ تکیوں کے سہارے اپنے بیڈ پہ نیم دراز ہو گیا تھا۔ اس کے بازو کا پلاسٹر اتر چکا تھا البتہ سر پہ ابھی بینڈیج باقی تھی۔

"حمزہ آج شام جب تم سو رہے تھے۔ تب اسپتال میں علیزہ آئی تھی۔" بابا جب کمرے سے باہر گئے تو شہوز نے بتایا تھا۔

"اچھا کیوں۔" اس نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں مجھے تو اس کا رویہ بہت عجیب سے لگا یار بہت الگ سی لگی وہ جانے کیوں۔ یہ تمہارے لیے دے گئی ہے۔" شہوز نے پاکٹ سے لفافہ نکال کر اسے دیا تھا۔

"یہ کیا ہے۔" حمزہ نے الٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔

"معلوم نہیں میں نے دیکھا نہیں ہے۔ تم خود دیکھ لو۔"

"اوکے۔" حمزہ نے لفافہ تکیے کے نیچے رکھ دیا تھا یہ سوچ کر کہ بعد میں دیکھ لوں گا اور بعد میں ملا اور شہاب انکل کے آجانے سے اور رات گئے سونے تک وہ اس لفافے کو یکسر بھول چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"علیزے، تمہارے ماموں کا اسلام آباد سے فون آیا تھا۔ وہ تمہیں بلا رہے ہیں کیوں؟"

رات کے لیے کھانا بناتے وقت ملا نے اچانک ہی اس سے پوچھا تھا۔

"دراصل ماموں کا اسکول جو لڑکی سنبھال رہی تھی۔ اس کی شادی ہو گئی ہے تو ماموں چاہتے ہیں کہ میں ان کا اسکول سنبھال لوں۔" اس نے روٹی بیلتے ہوئے سرسری سا کہا تھا۔

"وہ خود بھی تو سنبھال سکتے ہیں نا یا پھر گھر کا کوئی اور فرد تم ہی کیوں؟"

ملا، سلاد کاٹنا چھوڑ کر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"پتا نہیں ملا۔" اس نے روٹیاں رومال میں لپیٹ کر ہاٹ پاٹ میں رکھیں اور اب رخ موڑ کے سنک میں ہاتھ دھو رہی تھی۔ ملا سمجھ گئیں کہ وہ ان سے کچھ چھپا رہی ہے۔

"تم نے انہیں ایسا کرنے کو کہا تھا۔" وہ اٹھ کر اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں۔

"نہیں ملا' میں بھلا کیوں کہوں گی۔ وہ تو خود ماموں نے کہا تو میں نے کہا ٹھیک ہے ویسے بھی میں آج کل فارغ ہی ہوں۔" وہ بدستور رخ موڑے ہوئے تھی اور یہ اس کی بچپن کی عادت تھی کہ اول تو وہ جھوٹ بولتی نہیں تھی اور اگر کبھی بولنا پڑ جائے تو کبھی بھی مقابل سے نگاہیں ملا کر ڈھٹائی سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی اور آج بھی وہ اپنی اسی عادت کی وجہ سے پکڑی گئی تھی۔

"علیزے' ادھر میری طرف دیکھو۔ اپنی ماما سے چھپاؤ گی۔ کیا بات ہے بتاؤ مجھے۔"

ماما نے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا اور اس کی بھیگتی پلکیں تیزی سے ان کی نگاہوں میں آئی تھیں۔

"یہاں سے دور جانا چاہتی ہو حمزہ کی وجہ سے؟"

ماما کے کہنے پہ اس نے اثبات میں سر ہلا کر بمشکل آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا تھا۔

"دیکھو بیٹا جلد بازی مت کرو۔ میں نہیں جانتی کہ حمزہ کے اس رویے کے پیچھے کیا وجہ تھی۔ لیکن بیٹا اتنا ضرور کہوں گی کہ کچھ ایسا ضرور تھا جو وہ ہم سے کہہ نہیں پارہا تھا جیسے کوئی بات ہے جو اسے مجبور کر رہی ہے اس فیصلہ پر کیونکہ جتنا اسے میں نے جانا ہے نا بیٹا' وہ ایسا نہیں ہے۔ میں نے اس کی نگاہوں میں تمہارے

لیے آج بھی وہی عزت وہی محبت دیکھی ہے۔ جو پہلے دن دیکھی تھی جانتی ہو جب بھی میں اس کے پاس جاتی ہوں وہ شدت سے تمہارا منتظر رہتا ہے اور تمہیں میرے ساتھ نہ پا کر وہ جس طرح مایوس ہوتا ہے وہ میں بہت اچھی طرح محسوس کرتی ہوں۔ پر کچھ ایسا ہے جو اسے تمہارے پاس آنے سے روک رہا ہے۔" ماما نے اتنے دنوں میں جو محسوس کیا وہ سب اسے کہہ دیا تھا۔

"نہیں ماما میں بہت اچھی طرح جان چکی ہوں۔ وہ اب پہلے جیسے نہیں رہے۔ اس وقت جب مجھے ان کے اعتبار کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ تب انہوں نے میرا اعتبار نہیں کیا اور مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ کیسی محبت ہے ماما۔ یہ کیسا اعتبار تھا۔"

اتنے دنوں میں پہلی بار اس نے ماما کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے جانے کی اجازت دے دیں ماما۔ ہاں میں نے خود ماموں سے کہا تھا کہ میں وہاں آنا چاہتی ہوں۔ پلیز پلیز ماما چاہے تھوڑے عرصے کے لیے سہی۔ مگر میں یہاں سے دور جانا چاہتی ہوں۔ اس طرح شاید ہم دونوں کو ہی فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی پلیز ماما۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا میں کیا کہہ رہی ہوں۔ آپ بابا سے بات کریں گی نا۔" وہ ان کے ہاتھ تھامے ملتجی سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اور جانے کیوں ماما نے اسے خود سے لگاتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ کس خوشی سے انہوں نے دونوں کا نکاح کیا تھا اور اب یہ کیا ہو گیا تھا۔ انہوں نے روتی ہوئی علیزے کو دیکھا تھا۔ نا سمجھی میں اٹھائے ہوئے ایک قدم نے کتنی زندگیاں برباد کر دی تھیں۔ وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی ایک گلٹ میں مبتلا ہو گئی تھی۔ تبھی اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن ماما قطعی نہیں چاہتی تھیں کہ علیزے وہاں جائے اس طرح فاصلہ اور بڑھ جائے گا۔ غلط فہمی اور پختہ ہو جائے گی۔ اس لیے انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ حمزہ سے ایک بار بات ضرور کریں گی۔

⁂ ⁂ ⁂

"سمجھ نہیں آتا آپ کو کیسے مخاطب کروں۔ کیونکہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ کو مخاطب کر سکوں۔ اس لیے بنا مخاطب کیے ہی بات شروع کر رہی ہوں۔ حمزہ میں نے جو کچھ کیا وہ غلط تھا۔ ضد تھی' نا سمجھی تھی۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر بچپن سے لے کر آج تک اپنی ہر من پسند چیز چٹکیوں میں حاصل کرنے کی ایسی عادت پڑ چکی تھی کہ میں نے آپ کو بھی انسان کی بجائے ایک بے جان چیز سمجھا اور سوچا کہ میں چٹکی بجاتے ہی آپ کو بھی حاصل کر لوں گی۔ مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ میرے دل میں دور دور تک آپ کی محبت کا کوئی نشان ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملا۔ وہ تو بس صرف ضد اور انا میں اٹھایا جانے والا قدم تھا۔ صرف ایک حسد کہ علیزے میں ایسا کیا ہے جو مجھ میں نہیں۔ اپنی تذلیل کا احساس مجھے ہر اقدام اٹھانے پہ مجبور کر گیا اور مجھے کوئی روکنے والا بھی نہیں تھا۔ پر آج سمجھ نہیں آتا کہ کن الفاظ میں آپ سے معافی مانگوں کیونکہ آج تو میں آپ سے معافی مانگنے کے بھی قابل نہیں رہی۔ آج میں سوچ رہی ہوں کہ ہمیشہ خود کو سمجھانے یہ علیزے کا مذاق اڑاتی تھی۔ اسے اپنے جیسا بنانے کی کوشش کرتی تھی۔ پر آج شدت سے مجھے اس بات کا احساس ہے کہ کاش میں علیزے جیسی بن جاتی کیونکہ لڑکیاں تو ایسی ہی اچھی لگتی ہیں نا اپنی حفاظت کرنے والی۔ شرم و حیا سے مزین پروقار سی نہ کہ میرے جیسی ہر ایک کے سامنے اپنا آپ طشتری میں سجانے والی۔

ہاں مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ہی علیزے کو اپنے کزن جاذب اور اس کے دوستوں کے ساتھ مل کر کڈنیپ کروایا تھا۔ تاکہ آپ کو مجبور کر سکوں آپ اسے چھوڑ دو۔ مگر آپ کی محبت کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ آپ اسے چھوڑنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہی خود موت کی دہلیز چھو آئے۔ جب مجھے تمہارے ایکسیڈنٹ کا پتا چلا تو جانتے ہو میں نے کیا کہا۔ میں

نے کہا اب اس ٹوٹے ہوئے شخص کا میں کیا کروں گی۔ وہ علیزے کو ہی مبارک ہو۔ کیونکہ میرا ارادہ کبھی بھی تم سے شادی کرنے کا نہیں تھا۔ مجھے تو اپنی ہر چیز بالکل پرفیکٹ چاہیے تھی اپنی طرح اور تم تو پہلے ہی علیزے کے شوہر تھے اور اس کی محبت میں گرفتار تو میں کیسے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر سکتی تھی۔ لیکن جانے کیوں یہ سب سوچتے ہوئے میں یہ کیوں بھول گئی کہ پرفیکٹ صرف خدا کی ذات ہوتی ہے اور اگر اس نے مجھے ہر دولت سے مالا مال کیا ہے۔ ایک مکمل' خوبصورت انسان بنایا ہے تو یہ اس کا مجھ پہ احسان ہے۔ لیکن میں مغرور ہو گئی خود پسند ہو گئی۔ بھول گئی اس پاک ذات کو۔ جو ہمارے پل پل کا مالک ہے۔

مگر آج میرا غرور مٹی میں مل گیا۔ میں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کر سکیں کیونکہ یہی میری سزا تھی۔ میں کتنا روئی' کتنا چلائی لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ اس رات پارٹی میں جاذب نے اپنے دوستوں کے ساتھ نشے کی حالت میں میری ذات کا غرور مٹی میں ملا دیا اور میں کچھ نہیں کر سکی اور جانتے ہو جب میں نے اسے کہا کہ وہ مجھ سے شادی کر لے تو اس نے کیا کہا؟ اس نے کہا کہ تمہارے جیسی لڑکیاں گھر بسانے کے لیے نہیں ہوتیں صرف استعمال کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ شاید وہ سچ کہتا ہے اور یہ سب مجھے شاید تم دونوں کے ساتھ کیے جانے والی زیادتیوں کی سزا ملی ہے۔ علیزے کو کڈنیپ کرواتے وقت جانے کیوں میں ایک پل کو یہ بھول گئی تھی کہ میں بھی ایک لڑکی ہوں اور مجھے ایک لڑکی کے ساتھ یہ سب نہیں کرنا چاہیے۔ پلیز ہو سکے تو تم دونوں مجھے معاف کر دینا اور ہاں حمزہ' علیزے جیسی ہمارے پاس آئی تھی بالکل ویسے ہی آج بھی ہے کیونکہ میں نے ہی جاذب کو کہا تھا کہ وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے ورنہ تم ہماری بات نہیں مانو گے اور جانتے ہو بدلے میں اس نے تب ہی مجھ سے علینہ وقار کو مانگا تھا اور میں سمجھ ہی نہیں پائی۔

مگر آج میں بہت گندی ہو گئی ہوں۔ بہت ناپاک' مجھے گھن آتی ہے اپنے وجود سے۔ آج میں نے جان لیا کہ زندگی میں اتنی غلطیاں نہیں کرنی چاہیے کہ تلافی کی گنجائش ہی نہ رہے۔ میں نے آج تک خدا سے کچھ نہیں مانگا کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی بنا مانگے ہی سب کچھ ملتا رہا مگر آج مانگتی ہوں۔ اپنے لیے موت اور تم دونوں کے لیے ڈھیر ساری خوشیاں۔ تم علیزے کو کبھی مت چھوڑنا حمزہ وہ بہت اچھی ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہو تب ہی تو میری تدبیریں بیکار ہو گئیں۔ دعا کرنا کہ خدا میری دونوں دعائیں جلد سن لے۔" "تمہاری معافی کی طلب گار علینہ وقار" وہ جوں جوں خط پڑھتا گیا اس کے تاثرات بدلتے رہے تھے اور اب مکمل پڑھ لینے کے بعد وہ سن سا بیٹھا تھا۔

"یا خدا یہ اس لڑکی نے اپنے ساتھ کیا کر لیا۔" وہ اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں پایا تھا۔

کسی اور کے لیے کھودے جانے والے گڑھے میں وہ خود ہی گر پڑی تھی' کتنی ہی دیر وہ خط تھامے خاموش بیٹھا رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا تھا یا بڑھ گیا تھا۔ کل جب شہوز نے اسے یہ لیٹر دیا۔ تو وہ رکھ کر بھول گیا تھا اور آج جب وہ سونے لیٹا تو تکیے درست کر کے رکھتے وقت یہ لیٹر ہاتھ میں آگیا' اس نے سوچتے ہوئے لیٹر کھول لیا کہ علینہ کو مجھے لیٹر لکھنے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ لیکن جوں جوں وہ پڑھتا گیا اس کی کیفیت عجیب سی ہو گئی تھی۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی ہمیشہ اس لیے خاموش ہو جاتا تھا کہ وہ ایک لڑکی ہے اور وہ مرد ہو کر اس سے کیا ٹکرائے۔ مگر خدا گواہ تھا کہ ان دونوں میں سے ہی اسے کسی نے کبھی کوئی بددعا نہیں دی تھی۔ علیزے تو شاید جانتی بھی نہیں تھی کہ ان سب کے پیچھے کون ہے۔ مگر کسی کے ساتھ مسلسل برا کرتے کرتے ہم جانے کیوں یہ بھول جاتے ہیں کہ کسی کے ساتھ اچھا یا برا کرنے کا حق ہمیں نہیں ہے۔ وہ خالق کائنات جو آسمان پر براجمان ہے بلکہ ہر جگہ موجود ہے۔ صرف یہ

حق اسے ہی حاصل ہے۔ بس اس کے ایک اشارے کی دیر ہوتی ہے اور پل میں سب بدل جاتا ہے اور اب بھی یہی ہوا تھا۔ ناحق کسی کو ستانا گناہ ہے اور علینہ نے تو پرفیکٹ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ حمزہ دل سے اسے معاف کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے دکھی بھی تھا۔

اگلے دن جب وہ ناشتے کے بعد بوریت سے بچنے کے لیے نیوز پیپر دیکھ رہا تھا حالانکہ وہ نیوز پیپر نہیں پڑھتا تھا لیکن کبھی کبھار سرسری سی نگاہ ڈال لی اور بس۔ پاپا ہی پڑھتے تھے لیکن آج اتفاقاً "ہی بوریت سے بچنے کے لیے اٹھا لیا تھا۔ کیونکہ پاپا آفس جا چکے تھے اور ماما کچن میں تھیں، تبھی اس کی نظر اندرونی صفحے کی ایک چھوٹی سی ہیڈ لائن پہ جم گئی تھی۔

"مشہور اندسٹریلسٹ وقار بیگ کی اکلوتی صاحبزادہ علینہ وقار نے خودکشی کرلی۔ والدین کا وجہ بتانے سے انکار باخبر ذرائع سے پتا چلا ہے کہ علینہ وقار کو ان کے کزن جاذب صدیقی نے اپنے دوستوں کے ساتھ نشے کی حالت میں اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا تھا اور بعد میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ روپوش ہو گیا اور تاحال روپوش ہے اور یہی سبب ہے علینہ وقار کی خودکشی کا۔ تاہم اس کے گھر والے یہ وجہ ماننے سے انکاری ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ علینہ وقار، جاذب صدیقی کے خاصے قریب تھیں اور ان کی ہر سرگرمی میں ان کے ساتھ دکھائی دیتی تھیں اور اپنے والدین کی غیر موجودگی میں وہ جاذب صدیقی کی والدہ یعنی اپنی خالہ کے گھر رہائش پذیر تھیں ان کے والدین کسی بھی قسم کی کارروائی کرنے سے انکاری ہیں۔" آگے بھی اور جانے کیا کچھ لکھا تھا۔ لیکن اس سے پڑھا ہی نہیں گیا تھا۔

"او مائی گاڈ۔" وہ کتنی ہی دیر ساکت بیٹھا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"چھوٹے مالک۔ آپ کا فون ہے۔" ملازم نے کارڈلیس لا کر حمزہ کو تھمایا تھا۔

وہ اس وقت لاؤنج میں صوفے پہ کشنز کے سہارے نیم دراز تھا۔ اب وہ خود کو کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی کافی احتیاط سے کام لیتا تھا اور پاپا بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ پاپا ابھی آفس سے آئے نہیں تھے۔ وہ ان کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ جبھی ملازم نے اس کو فون تھمایا تھا۔ اپنا موبائل وہ شاید کمرے میں بھول آیا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی کا والیوم کم کیا تھا۔

"ہیلو حمزہ کیسے ہو بیٹا۔" دوسری طرف ماما تھیں۔

"ماما السلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ؟" وہ کتنے دنوں سے انہیں یاد کر رہا تھا۔

کیونکہ جب سے وہ اسپتال سے گھر شفٹ ہوا تھا۔ وہ بمشکل دو یا تین بار آئی تھیں۔

"وعلیکم السلام بیٹا میں تو ٹھیک ہوں تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" ان کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

"میں اب ٹھیک ہوں ماما پہلے سے کافی بہتر۔ آپ اتنے دنوں سے آئیں ہی نہیں بھول گئیں نا اپنے بیٹے کو۔

میں آپ کو بہت مس کر رہا تھا۔" اس نے فوراً "ہی شکوہ کر ڈالا تھا۔

"بس بیٹا آنا ہی نہیں ہوا۔ حمزہ تم سے ایک بات کرنا تھی بیٹا۔"

"جی کہیں ماما کیا بات ہے؟" ماما کے لہجے سے اسے لگا کہ جیسے کوئی خاص بات ہے۔

"حمزہ، علیزے اسلام آباد جا رہی ہے بیٹا اپنے ماموں کے پاس۔ ہم سب اسے کتنا روک رہے ہیں لیکن وہ مان ہی نہیں رہی۔ تم اسے روک لو بیٹا۔ وہ تمہاری بات ضرور مانے گی۔"

ماما کا لہجہ بھیگا بھیگا سا تھا۔ انہوں نے اس موضوع کو لے کر کبھی حمزہ سے بات نہیں کی تھی۔ لیکن آج کر رہی تھیں۔

"لیکن وہ کیوں جا رہی ہے ماما۔" وہ خود پچھلے کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ وہ علیزے سے بات کرنے

اور اسے سب بتانے خود اس کے پاس جائے گا۔ مگر ابھی ماما کی کال سے وہ پریشان ہو گیا تھا اور جواب میں ماما نے اسے پوری بات بتادی تھی۔

"بیٹا ہم نہیں چاہتے کہ وہ یہاں سے جائے۔ لیکن وہ مان نہیں رہی۔ ہم سب نے اسے کتنا سمجھایا ہے مگر پہلی بار وہ اتنی ضدی بن گئی ہے بیٹا۔ تم بات کرو گے نا اس سے؟" ماما نے ایک مان سے اس سے پوچھا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں ماما میں اس سے بات کروں گا۔ میں خود ہی بات کروں گا اس سے۔ ایسے کیسے وہ چلی جائے گی اور ہم اسے جانے دیں گے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں وہ کہیں نہیں جائے گی کب جارہی ہے وہ؟" حمزہ نے ماما کو بھرپور تسلی دی تھی۔

"آج شام سات بجے اس کی فلائٹ ہے۔" اس نے ماما کو تسلی دینے کے ساتھ فون بند کردیا تھا۔

ماما نے اسے کہا تھا کہ وہ علیزے کو نہ بتائے کہ انہوں نے اسے فون کیا تھا۔ کیونکہ اس نے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ حمزہ سے کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ نہیں چاہتی ہے۔

"حمزہ کیا ہوا بیٹا کیا سوچ رہے ہو۔" بابا کب آکر اس کے پاس بیٹھے اس پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"بابا وہ ابھی ماما کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ۔۔۔۔"

"علیزے جارہی ہے۔" بابا نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا تھا۔

"جی آپ جانتے ہیں۔" حمزہ نے ایک نگاہ انہیں دیکھا تھا۔

"ہاں۔ کئی دن پہلے سے مگر یہ بات اتنی اہم نہیں ہے۔ جتنی یہ بات اہم ہے کہ تم کیا چاہتے ہو۔ کیونکہ اب تو کوئی پرابلم نہیں ہے نا۔ تو کیا اب بھی تم اسے جانے دو گے۔"

بابا کو وہ علینہ کے لیٹر وغیرہ کے بارے میں سب بتا چکا تھا۔

"نہیں بابا۔" وہ بے اختیار ہی نفی میں سر ہلا گیا تھا۔

"تو بے وقوف لڑکے جاؤ اور اسے روکو وہ تمہاری بیوی ہے اور تم سے ناراض ہو کر جارہی ہے۔ اب مزید دیر مت کرنا۔" بابا نے فوراً ہی اسے کہا تھا۔

"لیکن بابا۔ کیا وہ مان جائے گی۔ وہ بہت زیادہ ناراض ہے۔" جانے کیوں وہ ڈر رہا تھا۔

اس کے جانے کا سن کر ہی اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا کہاں اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا سوچ بیٹھا تھا۔

"کیوں نہیں مانے گی دیکھو حمزہ صرف تم ہی ہو جو اسے روک سکتے ہو۔ کیونکہ اسے تم سے شکایت ہے اور تم ہی اس کا کھویا اعتبار اسے واپس لوٹا سکتے ہو۔ اس کی تمام شکایات دور کرسکتے ہو۔ جاؤ اسے روک لو کیونکہ اس سے الگ ہونے کی ہمت تو تم میں بھی نہیں ہے۔ جاؤ مناؤ اسے یقیناً وہ بھی تمہاری منتظر ہوگی۔"

بابا نے اس کے کندھے پہ بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کرتے ہوئے سمجھایا تھا۔ وہ بے اختیار ہی سر اثبات میں ہلا گیا تھا کیوں کہ اس سے دوری کا تصور ہی سوہان روح تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو یار مجھے تو پل میں منا لیتے ہو اور اسے منانے میں اتنی وقت۔"

بابا نے اس کی سوچ میں ڈوبے چہرے پہ ایک نگاہ ڈالی تھی۔

"آپ کی بات الگ ہے بابا" وہ جھینپ کر مسکرا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایئرپورٹ کے گیٹ سے حمزہ کی گاڑی اندر داخل ہوئی تو اس نے بے اختیار ہی رسٹ واچ پہ ایک نظر ڈالی تھی۔ جہاں ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ صبح سے پڑنے والی ہلکی ہلکی پھوار سے گاڑی کے شیشے بھیگ رہے تھے۔ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرکے ڈرائیور نے اسے اترنے میں مدد دی تھی۔ اور اندر آنے تک ڈرائیور مسلسل اس کے ساتھ تھا دھیمے دھیمے قدموں سے ادھر ادھر دیکھتا وہ اندر جارہا تھا کیونکہ ابھی بھی نہ وہ

بہت تیز چل سکتا تھا اور نہ ہی دوڑ سکتا تھا۔

"ارے حمزہ آپ ادھر۔" پاس سے گزرتے معاذ نے اسے بازو سے تھام کر اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"ہاں میں علیزے سے ملنے آیا ہوں۔ وہ کہاں ہے؟" حمزہ نے فوراً" ہی اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں میں اسے چھوڑنے آیا تھا۔ چھوڑ کر واپس جا رہا تھا تو پتا چلا کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے فلائٹ آدھا گھنٹہ لیٹ ہے اسی لیے واپس اس کے پاس جا رہا تھا کہ آدھا گھنٹہ وہ اکیلی کیا کرے گی۔"

معاذ کے بتانے پہ حمزہ نے ایک اطمینان بھری سانس لی تھی کہ اب وہ اس سے آسانی سے بات کر پائے گا۔

"معاذ میں اس سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ضرور۔ وہ وہیں سامنے ویٹنگ لاؤنج میں ہے۔ آپ جائیے۔"

معاذ نے فوراً" ہی اسے بتایا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صرف حمزہ ہی ہے جو اسے روک سکتا ہے ورنہ وہ تو سب ہی سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے حمزہ کو اس طرف بھیج کر معاذ ایئرپورٹ سے باہر آگیا تھا۔ جانتا تھا کہ وہ یقیناً" اسے روک لے گا۔ حمزہ اس طرف آیا تو لوگوں کے ہجوم میں کتنی ہی دیر اس کی نگاہیں اسے کھوجتی رہی تھیں تبھی ایک فیروزی اور بلیک آنچل نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ دھیمی چال چلتا وہیں آگیا تھا۔ سب سے قدرے ہٹ کر بیٹھی سر جھکائے جانے کس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ علیزے ہی تھی۔

اس کا سامان اس کے پاس ہی رکھا تھا اور وہ ارد گرد سے بے نیاز خاموشی سے بیٹھی تھی۔ تب ہی اسے احساس ہوا کہ اس کے برابر والی چیئر پہ کوئی بیٹھا ہے مگر وہ پھر بھی اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔

"مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو۔" قریب سے آتی آواز پہ اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

اپنے قریب بیٹھے حمزہ کو حیرانی سے چند لمحے دیکھنے کے بعد وہ منہ پھیر گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو مگر اتنی ناراض ہو جاؤ گی کہ مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ یہ میں نہیں جانتا تھا کیونکہ باوجود کوشش کے تم سے علیحدگی کے لیے صرف سوچنا ہی میرے لیے سوہان روح ہے اور تم مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو مگر سچ پوچھو تو اس میں میرا بھی اتنا قصور نہیں تھا۔ کیونکہ میں اس قدر مجبور کر دیا گیا تھا اور اتنا بے بس ہو گیا تھا کہ اس کے سوائے اس کے میرے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں بچا تھا۔ تمہاری بدگمانی اپنی جگہ۔ بالکل درست ہے لیکن باخدا میں کبھی تم سے دور رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

حمزہ نے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

"ایسی بھی کیا مجبوری تھی۔ جو آپ نے مجھے یوں بے اعتبار کر دیا۔ میرا مان توڑ دیا۔ میں سارے زمانے کی بے اعتباری سہہ سکتی تھی لیکن آپ....."

آنکھوں میں تیزی سے جمع ہونے والے آنسوؤں نے اسے اپنی بات مکمل کرنے نہیں دی تھی۔

"تمہاری سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن اگر تم ایک بار میری بات پوری سن لوگی۔ تو شاید تمہیں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ لیکن خدا گواہ ہے علیزے میں نے کبھی تم پہ کوئی شک نہیں کیا اور میں کبھی ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم آج بھی میرے لیے ویسی ہی پاکیزہ ویسی ہی خاص ہو جیسے پہلے دن تھیں اور ہمیشہ سے ہو۔ مجھے تم سے دور کر دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن جو رشتہ خدا کے حکم سے جڑا تھا۔ وہ بھلا کوئی کیسے ٹوٹ سکتا تھا۔"

حمزہ نے اس کی گود میں رکھے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

"میں کیسے مان لوں۔ اب آپ کی ان ساری باتوں پہ۔ کیونکہ جب مجھے سب سے زیادہ آپ کی ضرورت تھی آپ ایک بار بھی میرے پاس نہیں آئے۔ میری سینت سینت کر رکھی گئی زندگی کے لیے وہ دن ایک امتحان تھا۔ بہت بڑا امتحان اور میں جب اس امتحان سے اس مشکل وقت سے گزر گئی تو آپ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ تو اب ان سب باتوں کا مطلب۔"

وہ تیزی سے اپنا ہاتھ چھڑاتی خفگی سے شکوہ کرتی

اس لیے حمزہ کو بہت اچھی لگی تھی۔

"تم یہ دونوں چیزیں دیکھ لو۔ تمہیں مطلب خود ہی سمجھ میں آجائے گا۔" حمزہ نے وہ خط اور اخبار دونوں ہی چیزیں اپنے جیکٹ کی جیب سے نکال کر اسے تھمائی تھیں مگر وہ ہنوز رخ پھیرے ہوئے تھی۔

"علیزے پلیز بس ایک بار۔"

حمزہ کے التجائیہ لہجے پہ چند لمحے بعد اس نے وہ دونوں چیزیں تھام لی تھیں۔ جیسے جیسے وہ خط پڑھتی گئی۔ اس کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ جیسے بے یقینی کی کیفیت ہو۔ حمزہ کتنے ہی لمحے سے اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ آج بھی ہمیشہ کی طرح کتنی ہی لٹیں اس کے چہرے کا حصار کیے ہوئے تھیں۔

"علینہ کو یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

اس کی دھیمے لہجے میں کی جانے والی بڑبڑاہٹ حمزہ نے واضح سنی تھی۔ وہ ابھی تک بے یقین تھی پھر حمزہ نے دھیرے دھیرے اسے سب ہی کچھ بتا دیا تھا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی۔

"اتنی بڑی بات آپ نے مجھ سے چھپائے رکھی کیوں حمزہ کیوں؟ حالانکہ میں اس سارے قصے میں پوری طرح انوولو تھی۔ پھر کیوں؟ میں آپ سے الگ تو نہیں تھی پھر بھی آپ کو مجھے اذیت دینا منظور تھا۔ لیکن سچائی بتانا نہیں۔" دونوں چیزیں واپس اس کی گود میں پھینکتے ہوئے وہ چلائی تھی۔

"میں بہت ڈر گیا تھا علیزے۔"

"مگر محبت ڈرنا نہیں سکھاتی حمزہ۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ گئی تھی۔

"میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے تم سے سب کچھ کہہ دینا چاہیے تھا۔ مگر جانے کیوں تمہاری محبت نے مجھے بزدل بنا دیا تھا۔ میں تمہیں کھونے سے ڈرنے لگا تھا۔ میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہیں بلکہ تکلیف سے بچانا تھا۔ اس نے دن تمہاری غیر موجودگی میں میں انکل اور ماما کی حالت دیکھ کر خود کو مجرم سمجھنے لگا تھا۔ مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں گئی تھی اور جب تم واپس آئیں تو سب کتنا خوش تھے۔ لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ تمہیں واپس لانے کے لیے مجھے کتنی بڑی قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔ میں نہیں بتا پایا تھا سب کو کہ مجھ سے وابستگی تمہارے لیے جرم بن گئی ہے اور اسی رات' اسی پل میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں تم سے دور چلا جاؤں گا صرف تمہیں مزید کسی حادثے سے بچانے کے لیے میں نے تمہیں یہ محسوس کرایا کہ میں اس واقعے کے بعد سے تم سے الگ ہونا چاہتا ہوں۔ مگر میں ایسا کر نہیں پایا اور اس رات بابا کو اپنا آخری فیصلہ سنانے کے بعد جب میں گھر سے نکلا تو میں نے جان بوجھ کر گاڑی فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی تھی کہ میری برداشت ختم ہوتی جا رہی تھی اور رہی بات کہ علینہ نے ایسا کیوں کیا تو میں تمہیں بتاؤں کہ وہ بہت پہلے سے تمہاری جگہ لینا چاہتی تھی اور ہر بار میرے دھتکارنے پہ اس نے یہ قدم اٹھایا۔ اب میں مزید اس کے بارے میں اور کیا کہوں کہ خدا نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس کو اس کے غرور اور خود پسندی کی سزا حرام موت کی صورت میں ملی۔ مگر اب میں تم سے دور نہیں رہنا چاہتا۔ جب مجھے پتہ چلا کہ تم جا رہی ہو تو فوراً" یہاں چلا آیا۔ پلیز علیزے رک جاؤ مت جاؤ اب تو سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔"

حمزہ نے دھیرے سے اس کا رخ اپنی طرف پھیرنے کی کوشش کی تھی۔

"آپ کی محبت اتنی کمزور کیسے ہو گئی تھی حمزہ کہ ان کے کہنے پر مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا مجھ کو بتایا ہوتا ایک بار تو مجھ کہا ہوتا اور اگر یہ سب اس طرح نہ ہوتا تو آپ مجھے چھوڑ دیتے۔ میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ ایسا نہیں چاہتے تھے۔ میں آپ کی بیوی ہوں حمزہ اور آپ نے مجھے ہی بے اعتبار کر ڈالا۔ ہمارا محبت سے باندھا گیا یہ رشتہ' اس قدر کمزور تھا' اس قدر کچا تھا کہ پل بھر میں ٹوٹ جاتا۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے مگر پھر بھی آپ نے ایسا سوچا۔ میرے لیے تو یہ سوچنا بھی موت ہے۔ اگر آپ منع کر دیتے' ڈٹ جاتے تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔ آپ کی

محبت مجھے رسوا کیسے کر سکتی تھی۔ میں اپنی جان دے دیتی لیکن آپ کی محبت کو کبھی رسوا نہ کرتی۔"

وہ روتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی کچھ دقت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"سوری' میں نہیں رک سکتی۔ میں جا رہی ہوں۔ کیونکہ میں جانے کا فیصلہ کر چکی ہوں اور پتا نہیں کہ میں واپس آؤں گی بھی یا نہیں۔ مگر میں نہیں رک سکتی۔"

اس نے دونوں ہتھیلیوں سے اپنے آنسو پونچھے۔ بکھرے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا اور جھک کر سامان اٹھانے لگی تھی۔

"علمزے' پلیز آئی ایم سوری۔" حمزہ نے اس کا بازو تھام کر اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"سوری حمزہ' میرا دل نہیں مانتا۔" وہ اس سے حد درجہ جذباتی تھی۔

وہ بازو چھڑا کر جانے کو مڑی تھی کہ بار بار اس کے نام کی اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی فلائٹ کا ٹائم ہو چکا تھا۔

"علمزے۔" وہ جتنی تیز چل سکتا تھا چلا تھا۔ کئی بار اسے پکارا بھی۔ لیکن کمر میں اٹھنے والی درد کی شدید لہر نے اسے مزید قدم بڑھانے سے روک دیا تھا وہ کتنے ہی لمحے وہاں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ شاید کہ وہ پلٹ آئے۔ لیکن چلتے چلتے بالآخر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

حمزہ بہت مایوس سا ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر نکل آیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ علمزے کو روک لے گا لیکن وہ نہیں روک پایا۔ بارش یک دم ہی کچھ تیز ہونے لگی تھی۔ اسے لگا اس کی آنکھوں میں دھند سی چھا رہی ہے۔ پارکنگ تک آتے آتے وہ اچھا خاصا بھیگ چکا تھا۔ ڈرائیور اس کے انتظار میں گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ اپنی ہی سوچوں میں گم وہ مکمل طور پہ اردگرد سے بے نیاز تھا۔

"آپ مجھے پھر سے چھوڑ کر جا رہے ہیں حمزہ۔"

پیچھے سے آتی آواز پہ وہ سرعت سے پلٹا تھا اور حیرت سے کتنے ہی لمحے اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ واقعی آگئی تھی یا یہ اس کا وہم تھا وہ سمجھ نہیں پایا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا وہ تیز قدموں سے اس کے پاس آن پہنچی تھی۔ کتنے ہی لمحے وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"آئی ایم سوری حمزہ مجھے غصہ آگیا تھا اور غصے میں' میں نے نجانے کیا کچھ بول دیا۔ آئی ایم رئیلی ویری سوری۔" اس کے بازو پہ ہاتھ رکھے شرمندگی سے بولتی وہ واقعی وہاں موجود تھی۔ اسے یقین کرنا پڑا تھا۔

"مجھے سمجھنا چاہیے تھا کہ آپ نے میری وجہ سے کتنی تکلیف اٹھائی۔ آپ کسی اذیت سے گزرے ہوں گے۔ مجھے اس بات کا احساس ہے۔ مجھے آپ پر اور آپ کی محبت پہ پورا بھروسہ ہے میں کہیں نہیں جا رہی۔ میں واپس آگئی ہوں حمزہ۔ کبھی نہ جانے کے لیے۔ پلیز کچھ تو بولیں نا۔ خاموش کیوں ہیں۔"

بولتے بولتے وہ رک کر اسے دیکھنے لگی تھی جو خاموش کھڑا بس اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم بولو نا میں سن رہا ہوں۔" اسے سننا اچھا لگ رہا تھا۔

"بس مجھے غصہ آگیا تھا یہ سوچ کر کہ آپ نے مجھے چھوڑنے کا سوچا بھی کیسے۔ آپ نے اپنی پریشانی مجھ سے شیئر نہیں کی۔ حالانکہ اس ڈنر والی رات مجھے محسوس ہوا تھا کہ وہ آپ میں انٹرسٹڈ ہے لیکن پھر بھی میں نے آپ کی بات کا یقین نہیں کیا۔ آئی ایم ویری سوری۔ لیکن مجھے فخر ہے آپ پر کہ آپ نے میری خاطر اتنی تکلیف سہی اور افسوس بھی ہے کہ آپ کو میری وجہ سے اتنا کچھ سہنا پڑا۔ مگر میں بھی اگر آپ کی جگہ ہوتی نا تو شاید یہی فیصلہ کرتی تو اس پل آپ نے کیا۔"

بولتے بولتے اس کی آنکھیں بھر آئیں تو وہ سر جھکا گئی تھی۔

"شش خاموش' بس اب رونا مت' کبھی بھی اور کچھ مت کہو۔"

حمزہ نے روتی ہوئی علمزے کا چہرہ دونوں ہاتھوں

میں تھام لیا تھا۔

"جو ہوا وہ برا خواب تھا آزمائش تھی جو گزر گئی اور جاتے جاتے ہمیں بہت اچھی طرح یہ سمجھا گئی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بنا بالکل ادھورے ہیں نامکمل۔ سو اب نہ تم کہیں جاؤ گی اور نہ میں اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ میں نے ہمیشہ' ہر لمحہ' ہر پل صرف تمہیں سوچا ہے صرف تمہیں چاہا ہے۔ اب تم آگئی ہو نا تو میری یہ سب تکلیفیں ختم ہو جائیں گی۔" پلکیں جھکائے وہ اسے سن رہی تھی۔ محسوس کر رہی تھی۔ جو دھیرے دھیرے اسے داستان محبت سنا رہا تھا۔ بارش نے پھر سے پھوار کی شکل اختیار کرلی تھی۔ پاس سے گزرتے کتنے ہی لوگوں نے ان دیوانوں کو رشک سے دیکھا تھا۔ جو جانے کون سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔

"حمزہ پلیز۔" علیزے کو ماحول کا احساس ہوا تو اسے احساس دلایا تھا۔ وہ جو محبت سے اس کا چہرے تھامے والہانہ اسے تک رہا تھا۔ شرمندگی سے دور ہٹ گیا تھا۔

"اب اگر کبھی مجھ سے دور جانے کا سوچا یا مجھ سے کوئی بات چھپائی تو بہت برا ہو گا۔"

وہ اپنی خفت مٹانے کو بولی تو وہ ہنس دیا تھا۔

"اب ایسا کبھی نہیں ہو گا اب گھر چلیں سب انتظار کر رہے ہوں گے اور میں زیادہ دیر گھر ابھی نہیں رہ سکتا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا تو وہ اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

"جانتی ہو میں نے اسپتال میں کتنی شدت سے تمہارا انتظار کیا تھا۔" وہ اس کے سنگ چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو مجھے بلایا کیوں نہیں۔" وہ رک کر پوچھنے لگی تھی۔

"کئی بار سوچا پھر ہمت ہی نہیں ہوئی۔ سوچا جب اسے وقت میں 'میں' تمہارے ساتھ نہیں تھا تو تمہیں کیسے بلاؤں۔" اس نے وہی کہا جو محسوس کیا تھا سوچا تھا۔

"ضروری تو نہیں کہ میں ویسا ہی کرتی اور نہ میں نے کیا۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

مسکراتے ہوئے وہ ہمیشہ ہی اتنی خوبصورت لگتی تھی یا آج لگ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"کیا مطلب۔" وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

"بس ایک خاموش سا معاہدہ تھا شہوز بھائی کے ساتھ کہ دن میں جب بھی آپ سو رہے ہوتے تو وہ مجھے میسج کر دیتے اور میں آجاتی تھی۔ باہر سے ہی آپ کو ایک نظر دیکھنے کے بعد واپس چلی جاتی۔ کیوں آپ کو اپنے سرہانے رکھے پھولوں نے کبھی احساس نہیں دلایا میری موجودگی کا؟ ان سے کبھی میری محبت کی، میری خوشبو نہیں آئی؟" بلاشبہ اس کی محبت خوشبو بن کر ہی اس لمحے حمزہ کے چاروں طرف پھیلی تھی اور اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"تو وہ پھول روزانہ تم لاتی تھیں اور وہ شہوز مجھے کہتا تھا کہ وہ میرے لیے لے کر آتا ہے۔ میں بھی کہوں کہ یہ شہوز کب سے اتنا باذوق ہو گیا کہ بلاناغہ میرے لیے پھول لانے لگا۔ اس سے تو میں اچھی طرح پوچھوں گا۔ میرا دوست اور مجھ سے غداری۔ بٹ تھینک یو سو مچ علیزے۔ میری زندگی کو مکمل کرنے کے لیے۔" ہاتھ بڑھا کر دھیرے سے اس کی لٹ کو چھوا تھا وہ اس لمحے اتنا اچھا محسوس کر رہا تھا کہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔

بارش ان دونوں پہ خوشی بن کر، محبت بن کر برس رہی تھی اور پھر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے حمزہ نے سب سے پہلے ماما کو فون کیا تھا کہ وہ لاڈلی کو لے کر آرہا ہے۔ سب لوگ بے تحاشہ خوش ہو گئے تھے وہ سب یہی تو چاہتے تھے اور اس رات گھر پہنچتے ہی اس نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہی تھا کہ بابا کو کہا کہ وہ جلد از جلد علیزے کو اپنی زندگی میں دیکھنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جب وہ علاج کے لیے سنگاپور جائے تو بابا کے ساتھ ساتھ علیزے بھی اس کے ساتھ ہو۔ اس نے پھر اس قدر جلدی مچائی کہ ٹھیک پندرہ روز بعد وہ رخصت ہو کر اس کے گھر کی رونق بڑھانے چلی آئی تھی اور اگلے ہی روز ان لوگوں کی سنگاپور کی فلائٹ تھی جہاں حمزہ کا آپریشن ہونا تھا۔ بابا بھی ان کے ساتھ تھے اور سب نے ڈھیر ساری دعاؤں میں انہیں رخصت کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ارے آپ آگئے۔ السلام علیکم!"

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بالوں میں برش کرتی علیزے رک کر کمرے میں داخل ہوتے حمزہ کو دیکھ کر بولی۔

"وعلیکم السلام!" حمزہ نے ایک نگاہ اسے دیکھا تو اپنا بیگ وہیں ٹیبل پہ رکھ کر بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔

"کیسی لگ رہی ہوں۔" مکمل طور پہ بنی سنوری وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہوں اچھی لگ رہی ہو ہمیشہ کی طرح۔" دھیمے سے کہہ کر وہ جوتے اتارنے لگا تھا۔

پھر بنا کپڑے بدلے ہی وہیں ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا بات ہے حمزہ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ پریشانی سے پیشانی مسلتے حمزہ کو دیکھنے لگی تھی۔

"نہیں بس سر میں کچھ درد ہے۔ تھوڑی دیر ریسٹ کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔ تم کہیں جا رہی ہو۔" سرسری سا بتاتے اسے اس نے ایک بھرپور نگاہ اس پہ ڈالی تھی۔

"ہاں لاریب کے گھر، اس کی بہن کی آج شادی ہے وہیں جانا تھا۔ سوچا تھا آپ آجائیں تو ساتھ ہی چلیں گے مگر۔ خیر کوئی بات نہیں آپ ریسٹ کریں۔ میں آپ کے لیے چائے بنا لاتی ہوں۔ آپ تب تک چینج کریں۔"

اس کا کوٹ بیڈ سے اٹھا کر ہینگر میں لٹکایا اور باہر چلی آئی تاکہ اس کے لیے چائے لا سکے۔

"ابھی چند ہفتے قبل ہی وہ دونوں سنگاپور سے لوٹے تھے۔ جہاں حمزہ کا کامیاب آپریشن ہوا تھا اور اب وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا۔ بابا ان سے پہلے ہی لوٹ آئے تھے۔ کیونکہ حمزہ کو ڈاکٹر نے آپریشن کے

کچھ عرصے تک سفر کرنے سے منع کیا تھا اور یہاں ان دونوں کی غیر موجودگی میں شہوز نے سنبھال رکھا تھا تمام کام' اور کام کا کافی حرج ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں ہی نہیں تھے۔ اس لیے بابا جلدی لوٹ آئے تھے اور پھر وہاں علیزے اس کے ساتھ تھی تو کیا پرابلم تھی اور پھر چند ہفتے قبل وہ دونوں بھی لوٹ آئے تھے اور حمزہ نے ابھی چند دن ہوئے آفس جانا شروع کیا تھا ان تمام دنوں میں وہ سوائے ماما کے اور کہیں نہیں گئی تھی۔ آج لاریب کی بہن کی شادی تھی۔ وہ اسپیشلی گھر آکر انوائٹ کرکے گئی تھی۔ سو اب جانا لازمی تھا۔ ورنہ وہ ناراض ہو جاتی۔

وہ چائے بنا کر لائی تو وہ تب تک چینج کر چکا تھا اور اب بیڈ پہ نیم دراز تھا۔

چائے پینے کے دوران ہی حمزہ نے پاس بیٹھی بنی سنوری علیزے کا مکمل جائزہ لیا تھا۔ اسٹائلش سوٹ میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ اس لمحے بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔ نازک سی جیولری پہنے ایک ہاتھ میں وہی کڑے تھے جو حمزہ نے شادی کی رات اسے پہنائے تھے اور دوسرے ہاتھ میں نازک کانچ کی چوڑیاں تھیں کہ کانچ کی چوڑیاں اس کی کلائی میں حمزہ کو پسند تھیں سو وہ ہمہ وقت ہی پہنے رہتی تھی۔ بالوں کی کتنی لٹیں اس کے چہرے کے گرد ہمیشہ کی طرح بکھری ہوئی تھیں۔ شادی کے بعد اس نے حمزہ کی خواہش پہ بال بڑھائے تھے جو اب بڑھ کر کمر کو چھو رہے تھے۔ وہ مکمل طور پہ اس کی پسند میں ڈھلی اس وقت اسے بے ایمان کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے طبیعت زیادہ خراب ہے میں سر دبا دوں۔"

اس کی خاموشی کو اس کی طبیعت کی خرابی سمجھ کر وہ پریشان سے بولی تھی۔

"ہاں دبا دو پلیز۔" وہ کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر لیٹ گیا تو وہ دوسری طرف سے اس کے پاس آبیٹھی تھی۔ اس وقت وہ کہیں بھی جانا یکسر فراموش کر چکی تھی۔ وہ پاس آکر بیٹھی تو اس کے وجود سے پھوٹتی خوشبو نے تیزی سے حمزہ کو اپنے حصار میں لیا تھا۔

"کیسا فیل ہو رہا ہے اب درد کچھ کم ہوا۔" چند لمحوں بعد اس نے پوچھا تھا۔

"بہت اچھا۔" وہ دھیمے سے بڑبڑایا تھا۔ لبوں پہ دبی سی مسکراہٹ تھی۔

"کیا مطلب۔" بڑبڑاہٹ تو وہ ٹھیک نہیں سن پائی تھی یا نہیں البتہ اس کے لبوں کی دبی مسکراہٹ فوراً" ہی اس کی گرفت میں آئی تھی۔

"کیا ہوا؟ دبانا رک کیوں گئیں۔" اس نے چونک کر آنکھیں کھولی تھیں۔

"کچھ نہیں آپ ریسٹ کریں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

علیزے نے وہم سمجھ کر ذہن کو جھٹکا تھا ورنہ وہ چونکا کیوں۔

"کہاں جا رہی ہو یار ابھی تو میں نے تمہیں ٹھیک طرح سے دیکھا بھی نہیں ہے۔"

حمزہ نے اپس سے اٹھتی علیزے کا دوپٹہ تھام کر اسے روک لیا تھا۔

"تو آپ بہانہ بنا رہے تھے۔" وہ خفگی سے بولی اور قریب رکھا کشن اسے کھینچ مارا تھا۔

"کیا بہانہ۔" کشن پکڑتے ہوئے وہ انجان بن گیا تھا۔

"حمزہ آپ بہت بڑے ایکٹر ہیں۔ چھوڑیں۔" وہ اپنا دوپٹہ چھڑانے لگی تھی۔

"لڑکی تم اپنے معصوم شوہر پہ الزام لگا رہی ہو۔" وہ اس الزام پہ چیخ اٹھا تھا۔

"اور معصوم شوہر جب بہانے بہانے سے بیوی کو روکنے کی کوشش کریں گے تو میں یہی کہوں گی نا۔"

وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ گئی تھی۔

"کیا ہے یار اتنی مشکلوں سے ملی ہو پھر کیوں دور جاتی ہو۔ میں ہر لمحہ' ہر پل صرف تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ ان لمحوں کو قید کرلینا چاہتا ہوں۔"

حمزہ نے اس کے چہرے پہ آتے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹا تھا۔ علیزے کا دل دھڑک اٹھا تھا۔ اتنی قربت سے وہ پگھل رہی تھی۔

"مجھے سا ری زندگی کے لیے یہ قید منظور ہے لیکن ابھی مجھے چند لمحوں کے لیے اس قید سے رہائی چاہیے۔"

وہ بمشکل دھڑکتے دل کو سنبھال کر بولی تھی۔

"نہیں مل سکتی۔" حمزہ نے اس کا بازو تھام کر اسے خود سے قریب کرلیا تھا۔

"حمزہ' میرا فون بج رہا ہے۔" علیزے نے دور ڈریسنگ ٹیبل پر بجتے موبائل کو دیکھا تھا۔

"بجنے دو۔" محبت کی قید مضبوط تھی۔ محبت نے دھیرے سے اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔

"لا ریب خفا ہو جائے گی۔" وہ لجاجت سے بولی تھی۔

"ہونے دو۔ اس کی ناراضی کی فکر ہے اور اگر میں خفا ہو گیا تو۔" حمزہ نے اس کی خمدار پلکوں کو چھوا تھا۔ وہ سمٹی تھی۔

"آپ کو منانا آتا ہے مجھے۔" وہ ادا سے مسکائی تھی۔

"اچھا کیسے" وہ مسکرایا اور دھیمے سے بالوں کی خوشبو کو محسوس کیا تھا۔

"ایسے" علیزے نے دھیرے سے محبوب شوہر کی حسین آنکھوں کو چھوا تھا۔ وہ نہال ہو گیا تھا۔

"آپ کی ان ہی اداؤں نے تو ہمیں سحر زدہ کردیا ہے۔ اول روز سے جکڑ رکھا ہے۔"

حصار مضبوط سے مضبوط ہو رہا تھا۔ اس لمحے کمرہ اندھیرے میں نہا گیا تھا۔

"میں کینڈل جلاتی ہوں۔" وہ سرعت سے دور ہٹنے لگی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے محبت کی روشنی ہی کافی ہے۔" محبت نے پھر سے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ علیزے نے اس کے سینے پہ سر رکھ کر آنکھیں موندلی تھیں کہ بھلا اب اس محبت کو چھوڑ کر جانے کو کس کافر کا دل کرتا ہے۔ وہ بھی ہمیشہ ان ہی پناہوں میں رہنا چاہتی تھی اس کے سنگ۔

محبت اور نفرت کی یہ جنگ ازل سے چلی آرہی ہے اور شاید ابد تک رہے گی۔ اس میں کبھی جیت محبت کی ہوتی ہے تو کبھی نفرت کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ لیکن اس بار محبت نے ثابت کردیا تھا کہ وہ زیادہ طاقتور ہے۔ اور نفرت کو اس نے منوں مٹی تلے سلا دیا تھا کہ نفرت کرنے والے کبھی جیتتے نہیں کہ نفرت دلوں کا میل ہے اور ہار بھی ان کا مقدر بنتی ہے اور خوشیاں ہمیشہ محبت کرنے والوں کے ہی حصے میں آتی ہیں کیونکہ خدا محبت کو اور محبت کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

☼ ☼